قومی نصاب ۲۰۲۲-۲۳ء کے مطابق

ماڈل درسی کتاب

اُردو

گیارھویں جماعت کے لیے

قومی نصاب کونسل

وفاقی وزارتِ تعلیم و پیشہ وارانہ تربیت حکومتِ پاکستان

نیشنل بک فاؤنڈیشن

بطور

وفاقی ٹیکسٹ بک بورڈ، اسلام آباد

اس درسی کتاب کی منظوری قومی نصاب کونسل، وزارت وفاقی تعلیم و پیشہ ورانہ تربیت، اسلام آباد کی جانب سے خط نمبرF.No.1-1(2024)-NCC/DEA/Dir/English، مورخہ مارچ2024.07 کے ذریعے دی گئی ہے

© 2024 نیشنل بک فاؤنڈیشن بطور وفاقی ٹیکسٹ بک بورڈ
اس اشاعت کے تمام حقوق محفوظ ہیں۔ اس اشاعت کا کوئی بھی حصہ بغیر نیشنل بک فاؤنڈیشن کی تحریری اجازت کے کسی بھی شکل یا طریقے سے، خواہ وہ الیکٹرانک، میکانیکی، فوٹو کاپی، ریکارڈنگ، یا کوئی اور طریقہ ہو، دوبارہ تخلیق، ذخیرہ یا منتقل نہیں کیا جاسکتا۔ غیر مجاز استعمال، نقل، یا تقسیم سختی سے ممنوع ہے اور قانونی کارروائی کا سبب بن سکتی ہے

ماڈل درسی کتاب اردو گیارھویں جماعت کے لیے
(قومی نصاب 23-2022 کے مطابق)

مصنفین
امجد اقبال، (منتظم مصنف)
ڈاکٹر خالد اقبال یاسر، سید تجمل حسین شاہ، پروفیسر گل ناز، ڈاکٹر شازیہ صدف، محمد شاہین بلوچ (شریک مصنفین)

معاونین
شہزاد احمد، ذوالفقار احمد، شاہد وحریچہ (ڈیزائنر)

نگران نصاب اور جائزہ
ڈاکٹر مریم چغتائی، ڈائریکٹر، قومی نصاب کونسل، وزارت وفاقی تعلیم و پیشہ ورانہ تربیت، حکومت پاکستان، اسلام آباد

آئی آر سی ممبران
ڈاکٹر فردوس کوثر، بحریہ کالج اسلام آباد، حاکم خان، بحریہ کالج اسلام آباد، ڈاکٹر عمیرا صادق قریشی، وفاقی تعلیمی ادارہ جات (کینٹ / گیریژن) راولپنڈی، آصفہ ذاکر، وفاقی تعلیمی ادارہ جات (کینٹ / گیریژن) راولپنڈی
رضوانہ ناہید، وفاقی تعلیمی ادارہ جات (کینٹ / گیریژن) راولپنڈی، شاکرہ نسیم، فیڈرل ڈائریکٹوریٹ آف ایجوکیشن اسلام آباد، کنیز فاطمہ بخش، فیڈرل ڈائریکٹوریٹ آف ایجوکیشن اسلام آباد
نسرین الماس، فضائیہ سکولز اینڈ کالجز اسلام آباد، نسیم وقار، آرمی پبلک سکولز اینڈ کالجز راولپنڈی، مریم جمیلہ، آرمی پبلک سکولز اینڈ کالجز راولپنڈی

آئی پی سی ڈبلیو-1- ممبران
ڈاکٹر فردوس کوثر، بحریہ کالج اسلام آباد، ڈاکٹر محمد سہیل سرور، پنجاب کریکولم اینڈ ٹیکسٹ بک بورڈ، حکومت پنجاب، لاہور، زاہدہ بخش
ڈائریکٹریٹ آف کریکولم، اسسمنٹ اینڈ ریسرچ، حکومت سندھ جامشورو، محمد زکریا، محکمہ تعلیم، گلگت بلتستان، صادر خان پانیزئی، ادارہ نصابیات و توسیعی تعلیم حکومت بلوچستان، کوئٹہ
فائزہ علی شاہ، بلوچستان ٹیکسٹ بک بورڈ، کوئٹہ، تاج ولی خان، نظامت نصابیات و تربیت اساتذہ حکومت خیبر پختونخوا ایبٹ آباد، راجہ محمد عارف خان، محکمہ تعلیم آزاد جموں و کشمیر، مظفرآباد

ڈیسک آفیسر: سہیل بن عزیز، قومی نصاب کونسل

نگران درسی کتب نیشنل بک فاؤنڈیشن
مراد علی مہمند، مینیجنگ ڈائریکٹر، نیشنل بک فاؤنڈیشن

انچارج درسی کتب نیشنل بک فاؤنڈیشن: منصور احمد، اسسٹنٹ ڈائریکٹر

یہ درسی کتاب پاکستان میں پرنٹ کی گئی ہے
اشاعت اول۔ طباعت اول: مارچ 2024 | صفحات: 136 | تعداد: 44000
اشاعت اول۔ طباعت دوم: مئی 2024 | صفحات: 136 | تعداد: 70000
اشاعت اول۔ طباعت سوم: اکتوبر 2024 | صفحات: 136 | تعداد: 15000

قیمت: -/220 روپے، کوڈ: STU-498، آئی ایس بی این: 978-969-37-1602-3
طابع: ایلیا سکائی پرنٹرز، راولپنڈی

نیشنل بک فاؤنڈیشن کی دیگر اشاعتوں کے بارے میں مزید معلومات کے لیے رابطہ کیجیے، ویب سائٹ www.nbf.org.pk ملاحظہ کریں۔
آپ ہمیں اس نمبر پر 051-9261125 پر فون یا ای میل books@nbf.org.pk کے ذریعے بھی رابطہ کر سکتے ہیں۔
اس درسی کتاب کے بارے میں اپنی رائے دینے کے لیے nbftextbooks@gmail.com اور textbooks@snc.gov.pk پر ای میل کیجیے۔

نوٹ: اس کتاب میں شامل تمام تصاویر، آرٹ ورک، نقشہ جات وغیرہ صرف تعلیمی اور تشہیری مقاصد کے لیے ہیں، جو عوامی مفاد کے لیے فائدے مند ہیں۔

پیش لفظ

اُردو برائے جماعت گیارھویں قومی نصاب ۲۰۲۲ء-۲۳ء کے مطابق تیار کی گئی ہے۔

جماعت کی سطح کے بعد زبان و بیان میں قدرے رفعت اور طرزِ بیان میں ادبیت کو اہمیت دی جاتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ نظم و نثر اور زبان کے دیگر اصول و اسالیب کو بھی ملحوظِ خاطر رکھا جاتا ہے۔ مشقی سلسلے میں بھی نصابی حاصلات کے تقاضے پورے کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، چنانچہ گیارھویں جماعت کی درسی کتاب کی تیاری کے دوران اِن پہلوؤں کو مدّ نظر رکھا گیا ہے۔ اس میں پاکستانی اُردو کے جدید تقاضوں کی طرف بھی نشاندہی کی گئی ہے۔ جنھیں اگلی جماعتوں میں بہت حد تک پورا کیا جائے گا۔ خاص طور پر نثر کی مختلف اصناف، صحافتی اُردو، دفتری اُردو، عدالتی اُردو، سائنسی اور تکنیکی اُردو، کمپیوٹر اور موبائل فون کی زبان کے بہت سے ایسے پہلو ہیں، جن سے طلبہ کو روشناس کرانے کی ضرورت ہے۔ یاد رہے کہ ہمیں زبان کا استعمال سکھانا ہے۔ اساتذہ کو زیادہ زور اسی پہلو پر دینا ہوگا۔ خاص طور پر کمپیوٹر ٹیکنالوجی، موبائل فون اور ویب سائٹس کے حوالے سے اُردو کو جو حیثیت حاصل ہے، اسے تدریس کا حصّہ بنانا ہوگا۔ یہ ذمہ داری اُردو کے اساتذہ پر عائد ہوتی ہے کہ وہ اپنے روز مرہ اسباق میں کس طرح سے ان پہلوؤں پر روشنی ڈالتے ہیں۔ لائبریری سے طلبہ کے ربط و ضبط اور شوق کی ترویج کے لیے کہیں کہیں اضافی معلومات اور سرگرمیاں دی گئی ہیں۔ اس سلسلے میں بھی اساتذہ کی رہنمائی درکار ہوگی۔ اسباق، منظومات اور غزلیات کے آخر میں طلبا و طالبات کی رہنمائی کے لیے اضافی معلومات کی غرض سے مصنفین اور شعرا کا مختصر تعارف بھی دے دیا گیا ہے۔ معیار کی رفعت، تدریسی حاصلات، ذہنی رسائی اور اُسلوب کی پیروی ہمارا نصب العین ہے۔ نیشنل بک فاؤنڈیشن نے موثر تدریسی مراحل کو مدّ نظر رکھتے ہوئے اور خصوصی کاوشیں بروئے کار لاتے ہوئے مواد اور مثالوں سے اس درسی کتاب کو شائع کیا ہے۔ مزید یہ کہ اساتذہ کی رہ نمائی کے لیے ہر سبق کے آغاز میں حاصلاتِ تعلم بھی دے دیے گئے ہیں۔ اس ضمن میں تمام رفقا کی مساعی لائقِ تحسین ہیں۔

حتیٰ الامکان کوشش کی ہے کہ کتاب غلطیوں سے پاک ہو۔ حکومتِ پاکستان کی ہدایات کے مطابق کتابوں میں اس بات کو بھی یقینی بنایا گیا ہے کہ مختلف حوالوں سے وزارتِ مذہبی امور کی جانب سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی ذاتِ گرامی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حوالے سے جو نوٹیفکیشن جاری ہوتے رہے ہیں ان پر بھی مکمل طور پر عمل کیا جائے۔ ان کی روشنی میں درستی کر دی گئی ہے۔ چوں کہ یہ کتاب قومی نصاب 2022ء کی روشنی میں ٹیسٹ ایڈیشن کے طور پر شائع کی جا رہی ہے اس لیے آپ سے درخواست ہے کہ اگر اس کتاب میں کسی قسم کی لسانی اور علمی نوعیت کی غلطیاں ملیں تو ہمیں ان سے آگاہ فرمائیں اور مزید بہتری کے لیے اپنی تجاویز پیش کریں تاکہ اگلے ایڈیشن میں ان کی درستی کی جا سکے۔ اس کے لیے ادارہ آپ کا بے حد شکر گزار ہوگا۔

ڈاکٹر راجہ مظہر حمید

مینجنگ ڈائریکٹر

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان، نہایت رحم والا ہے۔

فہرست اسباق

نمبر شمار	عنوان		صفحہ نمبر
	حصہ نثر		
۱۔	اخلاقِ حسنہ (سیرت نگاری)	شبلی نعمانی	05
۲۔	نیا قانون (افسانہ)	سعادت حسن منٹو	11
۳۔	تاریخ کا کفن (سندھی ادب سے ترجمہ (افسانہ)	امر جلیل	21
۴۔	دہلیز (ڈراما)	امجد اسلام امجدؔ	31
۵۔	اور پاکستان بن گیا (ناول)	خدیجہ مستور	42
۶۔	ایک استاد عدالت کے کٹہرے میں (آپ بیتی)	اشفاق احمد	50
۷۔	(مکاتیب بنام) علاؤالدین علائی/ہر گوپال تفتہ	مرزا غالبؔ	56
۸۔	فاقہ میں روزہ (مضمون)	خواجہ حسن نظامی	61
۹۔	پاکستانی زبانیں اور ان کا باہمی رشتہ (مضمون)	محمد رشید/ممتاز منگلوری	69
۱۰۔	چارپائی (طنز و مزاح)	رشید احمد صدیقی	74
	حصہ نظم		
۱۔	حمد	حفیظ تائبؔ	80
۲۔	نعت	سید نفیسؔ شاہ	84
۳۔	ملی نغمہ	احمد ندیمؔ قاسمی	88
۴۔	اے وادیٔ لولاب (نظم)	علامہ اقبالؔ	92
۵۔	کھٹراڈنر (طنز و مزاح)	سید محمد جعفری	96
۶۔	آزادی (نظم)	احسان دانشؔ	101
۷۔	رحمان بابا (پشتو کلام)۔ انتخاب و تعارف: پروفیسر امجد اقبال	ترجمہ: پروفیسر طہٰ خان	105
	حصہ غزل		
۱۔	پتا پتا بوٹا بوٹا حال ہمارا جانے ہے	میر تقی میرؔ	110
۲۔	سر میں سودا بھی نہیں دل میں تمنا بھی نہیں	فراقؔ گورکھپوری	114
۳۔	بے چین بہت پھرنا، گھبرائے ہوئے رہنا	منیرؔ نیازی	119
۴۔	سلسلے توڑ گیا وہ سبھی جاتے جاتے	احمد فرازؔ	124
۵۔	بادباں کھلنے سے پہلے کا اشارہ دیکھنا	پروین شاکرؔ	127
	فرہنگ		130

مولانا شبلی نعمانی (۱۸۵۷ء-۱۹۱۴ء)

اخلاقِ حسنہ

1

اس سبق کی تدریس کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

- پڑھے گئے متن کے کسی حصے کو دہراتے ہوئے حوالوں اور دلائل کے ساتھ اظہارِ رائے کرتے ہوئے متعلقہ حصے پر جزئیات کے ساتھ تبصرہ پیش کر سکیں۔
- کسی بھی نظم یا نثر کو پڑھ کر اس کے اہم نکات کا خلاصہ لکھ سکیں۔
- کسی بھی نظم یا نثر کو پڑھ کر مصنف/شاعر اور قاری کے نقطہ نظر کو سامنے رکھتے ہوئے مرکزی خیال تحریر کر سکیں۔
- بات کو درمیان سے سن کر سیاق و سباق کے ساتھ بیان کرنے پر قادر ہو سکیں۔
- ذرائع ابلاغ سے خبروں، ڈراموں اور لیکچروں وغیرہ میں اٹھائے گئے اخلاقی، معاشی، معاشرتی اور ثقافتی نکات سن کر استحسانی اور تنقیدی گفت گو کر سکیں۔
- متضاد الفاظ کی جوڑیاں شناخت کر کے تحریر میں استعمال کر سکیں۔
- مختلف عبارتیں پڑھ کر ان میں درج معلومات اور تصورات کی پیش کش پر تبصرہ کرتے ہوئے قارئین پر ان کے اثرات کا تجزیہ کریں۔

پڑھیں

حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، حضرت ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہما وغیرہ جو مدتوں آپ ﷺ کی خدمت میں رہے تھے۔ ان سب کا متفقہ بیان ہے کہ آپ نہایت نرم مزاج، خوش اخلاق اور نکو سیرت تھے۔ آپ ﷺ کا چہرہ ہنستا تھا، وقار و متانت سے گفتگو فرماتے تھے کسی کی خاطر شکنی نہیں کرتے تھے۔ معمول یہ تھا کہ کسی سے ملنے کے وقت ہمیشہ پہلے خود سلام و مصافحہ فرماتے۔ کوئی شخص جھک کر آپ ﷺ کے کان میں کچھ بات کہتا تو اس وقت تک اس کی طرف سے رخ نہ پھیرتے جب تک وہ خود منہ نہ ہٹا لے۔ مصافحہ میں بھی یہی معمول تھا یعنی کسی سے ہاتھ ملاتے تو جب تک وہ خود نہ چھوڑے اُس کا ہاتھ نہ چھوڑتے۔ مجلس میں بیٹھتے تو آپ ﷺ کے زانو کبھی ہم نشینوں سے آگے نکلے ہوئے نہ ہوتے تھے۔

اکثر نوکر، چاکر، لونڈی، غلام خدمتِ اقدس میں پانی لے کر آتے کہ آپ ﷺ اس میں ہاتھ ڈالیں تاکہ متبرک ہو جائے۔ جاڑوں کا دن اور صبح کا وقت ہوتا، تاہم آپ ﷺ کبھی انکار نہ فرماتے۔

ایک دفعہ نجاشی کے ہاں سے ایک سفارت آئی۔ آپ ﷺ نے اُس کو اپنے ہاں مہمان رکھا اور خود بہ نفسِ نفیس مہمان داری کے تمام کام انجام دیے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کی کہ ہم یہ خدمت انجام دیں گے۔ ارشاد ہوا کہ ان لوگوں نے میرے دوستوں کی خدمت گزاری کی ہے اس لیے میں خود اُن کی خدمت گزاری کرنا چاہتا ہوں۔

حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ نے جو اصحابِ بدر میں تھے۔ اُن کی بینائی میں فرق آ گیا تھا۔ آں حضرت ﷺ کی خدمت میں

آکر درخواست کی کہ میں اپنے محلہ کی مسجد میں نماز پڑھاتا ہوں لیکن جب بارش ہو جاتی ہے تو مسجد تک جانا مشکل ہو جاتا ہے اس لیے اگر آپ ﷺ میرے گھر میں تشریف لا کر نماز پڑھ لیتے تو میں اسی جگہ کو سجدہ گاہ بنالیتا۔ دوسرے دن صبح کے وقت آپ ﷺ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر اُن کے گھر گئے اور دروازہ پر ٹھہر کر اذن مانگا، اندر سے جواب آیا تو گھر میں تشریف لے گئے اور دریافت فرمایا کہ کہاں نماز پڑھوں؟ جگہ بتادی گئی۔ آپ ﷺ نے تکبیر کہہ کر دو رکعت نماز ادا کی۔ نماز کے بعد لوگوں نے کھانے کے لیے اصرار کیا۔ محلے کے تمام لوگ کھانے میں شریک ہوئے۔

ابتدائے ہجرت میں خود آنحضرت ﷺ اور تمام مہاجرین انصار کے گھر میں مہمان رہے تھے دس دس آدمیوں کی ایک ایک جماعت ایک ایک گھر میں مہمان اتاری گئی تھی۔ مقداد بن الاسود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں اُس جماعت میں تھا جس میں خود آں حضرت ﷺ شامل تھے۔ گھر میں چند بکریاں تھیں جن کے دودھ پر گزارا تھا۔ دودھ دوھ چکتا تو سب لوگ اپنے اپنے حصے کا پی لیتے اور آپ ﷺ کے لیے پیالے میں چھوڑ دیتے۔ ایک شب کا واقعہ ہے کہ آں حضرت ﷺ کی تشریف آوری میں تاخیر ہوئی لوگ دودھ پی کر سو رہے۔ آپ ﷺ نے آکر دیکھا تو پیالہ خالی پایا۔ خاموش ہو رہے پھر فرمایا "خدایا جو آج کھلادے اُس کو تُو بھی کھلادینا۔" حضرت مقداد رضی اللہ عنہ چھری لے کر کھڑے ہوئے کہ بکری ذبح کر کے گوشت پکائیں۔ آپ ﷺ نے روکا اور بکری دوبارہ دوھ کر جو کچھ نکلا اُسی کو پی کر سو رہے اور کسی کو اس فعل پر ملامت نہ کی۔

ابو شعیب رضی اللہ عنہ ایک انصاری تھے۔ اُن کا غلام بازار میں گوشت کی دکان رکھتا تھا۔ ایک دن وہ خدمتِ اقدس میں آئے۔ آپ ﷺ صحابہ کے حلقہ میں تشریف فرما تھے اور چہرے سے بھوک کا اثر پیدا تھا۔ ابو شعیب رضی اللہ عنہ نے جا کر غلام سے کہا کہ پانچ آدمیوں کا کھانا تیار کرو۔ کھانا تیار ہو چکا تو آں حضرت ﷺ سے درخواست کی کہ صحابہ رضی اللہ عنھم کے ساتھ قدم رنجہ فرمائیں۔ کل پانچ آدمی تھے۔ راہ میں ایک اور شخص ساتھ ہو لیا۔ آں حضرت ﷺ نے ابو شعیب رضی اللہ عنہ سے کہا یہ شخص بے کہے ساتھ ہو لیا ہے تم اجازت دو تو یہ بھی ساتھ آئے۔ ورنہ رخصت کر دیا جائے۔ اُنھوں نے کہا آپ ﷺ اُن کو بھی ساتھ لائیں۔

عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ ایک صحابی تھے۔ ایک دفعہ آں حضرت ﷺ پہاڑ کے درے میں اونٹ پر سوار جا رہے تھے۔ یہ بھی ساتھ تھے۔ آنحضرت ﷺ نے اُن سے کہا کہ "آؤ سوار ہو لو"۔ اُنھوں نے اس کو گستاخی سمجھا کہ رسول اللہ کو پیادہ بنا کر خود سوار ہوں۔ آں حضرت ﷺ نے دوبارہ کہا۔ اب انکار کرنا امتثالِ امر کے خلاف تھا۔ آں حضرت اتر پڑے اور یہ سوار ہو لیے۔

غزوۂ حنین سے واپس آرہے تھے کہ راہ میں نماز کا وقت آگیا۔ حسبِ دستور ٹھہر گئے، موذن نے اذان دی۔ ابو محذورہ جو اس وقت تک اسلام نہیں لائے تھے چند دوستوں کے ساتھ گشت لگا رہے تھے۔ اذان سُن کر سب نے چلا چلا کر استہزا کے طور پر اذان کی نقل اُتارنی شروع کی۔ آں حضرت ﷺ نے سب کو بلوا کر ایک ایک سے اذان کہلوائی۔ ابو محذورہ رضی اللہ عنہ خوش لحن تھے۔ اُن کی آواز پسند آئی۔ سامنے بٹھا کر سر پر ہاتھ پھیرا اور برکت کے لیے دعا کی پھر ان کو اذان سکھلا کر ارشاد فرمایا کہ جاؤ اسی طرح حرم میں اذان دیا کرنا۔

ایک صحابی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ بچپن میں انصار کے نخلستان میں چلا جاتا اور ڈھیلوں سے مار کر کھجوریں گراتا۔ لوگ مجھ کو خدمتِ اقدس میں لے گئے۔ آپ ﷺ نے پوچھا ڈھیلے کیوں چلاتے ہو، میں نے کہا کھجوروں کے لیے۔ ارشاد فرمایا کہ زمین پر ٹپکی ہوئی کھجوریں کھالیا کرو۔ ڈھیلے نہ مارو یہ کہہ کر میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور دعا دی۔

عباد بن شرجیل مدینہ میں ایک صاحب تھے۔ ایک دفعہ قحط پڑا اور بھوک کی حالت میں ایک باغ میں گھس گئے اور خوشے توڑ کر کچھ کھائے کچھ دامن میں رکھ لیے۔ باغ کے مالک کو معلوم ہوا تو اُس نے آکر اُن کو مارا اور کپڑے اتروا لیے۔ یہ آں حضرت ﷺ کے پاس شکایت لے کر آئے۔ مدعاعلیہ بھی ساتھ تھا۔ آپ ﷺ نے اس کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ یہ جاہل تھا اس کو تعلیم دینی تھی۔ یہ بھوکا تھا اس کو کھانا کھلانا تھا۔ یہ کہہ کر کپڑے واپس دلوائے اور ساٹھ صاع غلہ اپنے پاس سے عنایت فرمایا۔

کسی شخص کی کوئی بات ناپسند آتی تو اکثر اُس کے سامنے اُس کا تذکرہ نہ فرماتے۔ ایک دفعہ ایک صاحب عرب کے دستور کے مطابق زعفران لگا کر خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ نے کچھ نہ فرمایا جب وہ اٹھ کر چلے گئے تو لوگوں سے کہا کہ اُن سے کہہ دینا کہ یہ رنگ دھو ڈالیں۔

ایک دفعہ ایک شخص نے باریابی کی اجازت چاہی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اچھا آنے دو۔ وہ اپنے قبیلے کا اچھا آدمی نہیں ہے لیکن جب وہ خدمت مبارک میں حاضر ہوا تو نہایت نرمی کے ساتھ اس سے گفتگو فرمائی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنھا کو اس پر تعجب ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا خدا کے نزدیک سب سے بُرا وہ شخص ہے جس کی بدزبانی کی وجہ سے لوگ اس سے ملنا جُلنا چھوڑ دیں۔

حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مدینہ میں ایک یہودی رہتا تھا جس سے میں قرض لیا کرتا تھا۔ ایک سال اتفاق سے کھجوریں نہیں پھلیں اور قرضہ ادا نہ ہو سکا۔ اس سے پورا سال گزر گیا۔ بہار آئی تو یہودی نے تقاضا شروع کیا۔ اب کے بھی پھل کم آئے۔ میں نے آئندہ فصل کی مہلت مانگی اُس نے انکار کیا۔ میں نے آں حضرت ﷺ سے آکر تمام واقعات بیان کیے۔ آپ ﷺ چند صحابہ رضی اللہ عنھم کے ساتھ خود یہودی کے گھر تشریف لے گئے اور سمجھایا کہ مہلت دے دو۔ اُس نے کہا ابوالقاسم! میں کبھی مہلت نہ دوں گا۔ آپ ﷺ نخلستان میں تشریف لے گئے اور ایک چکر لگا کر پھر یہودی کے پاس آئے اور اُس سے گفتگو کی لیکن وہ کسی طرح راضی نہ ہوا۔ بالآخر آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ چبوترے پر (جو مُسقَّف تھا) فرش بچھا دو۔ اس پر آرام فرمایا اور سو گئے اور سو کر اُٹھے تو پھر یہودی سے خواہش ظاہر کی کہ مہلت دے دے۔ اس شقی نے اب بھی نہ مانا۔ آپ ﷺ درختوں کے جُھنڈ میں جا کر کھڑے ہو گئے اور جابر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ کھجوریں توڑنی شروع کرو۔ آں حضرت ﷺ کی برکت سے اتنی کھجوریں نکلیں کہ یہودی کا قرض ادا کر کے بچ رہیں۔

مجلس نبوی ﷺ میں جگہ بہت کم ہوتی تھی جو لوگ پہلے سے آکر بیٹھ جاتے تھے اُن کے بعد جگہ باقی نہیں رہتی تھی۔ ایسے موقعے پر اگر کوئی آجاتا تو اُس کے لیے آپ ﷺ خود اپنی ردائے مبارک بچھا دیتے تھے۔ ایک دفعہ آں حضرت ﷺ تشریف فرما تھے اور اپنے ہاتھوں سے لوگوں کو گوشت تقسیم فرما رہے تھے کہ اتنے میں ایک عورت آئی اور آپ ﷺ کے پاس چلی گئی۔ آنحضرت ﷺ نے دیکھا تو اس کی نہایت تعظیم کی اپنی چادر مبارک اس کے لیے بچھا دی۔ راوی کہتا ہے کہ میں نے دریافت کیا کہ یہ کون عورت تھی تو لوگوں نے کہا یہ حضور ﷺ کی رضاعی ماں تھیں۔

اسی طرح ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ آں حضرت ﷺ تشریف فرما تھے کہ آپ ﷺ کے رضاعی والد آئے۔ آپ ﷺ نے اُن کے لیے چادر کا ایک گوشہ بچھا دیا۔ پھر رضاعی ماں آئیں۔ آپ ﷺ نے دوسرا گوشہ بچھا دیا۔ آخر میں رضاعی بھائی آئے تو آپ ﷺ اُٹھ کھڑے ہوئے اور اُن کو اپنے سامنے بٹھا لیا۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ مشہور صحابی ہیں۔ ایک دفعہ اُن کو بلا بھیجا تو وہ گھر میں نہیں ملے۔ تھوڑی دیر بعد حاضر خدمت ہوئے تو آپ ﷺ لیٹے ہوئے تھے ان کو دیکھ کر اُٹھ کھڑے ہوئے اور اپنے سینے سے لگالیا۔

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ بھی جب حبشہ سے واپس آئے تھے تو اُن کو گلے لگالیا اور اُن کی پیشانی کو بوسہ دیا۔

سلام میں پیش دستی فرماتے راستہ میں جب چلتے تو مرد، عورتیں، بچے جو سامنے آتے اُن کو سلام کرتے۔ ایک دفعہ آپ ﷺ راستہ سے گزر رہے تھے۔ ایک مقام پر مسلمان اور منافق و کافر یکجا بیٹھے ملے۔ آپ ﷺ نے سب کو سلام کیا۔

کسی کی کوئی بات بُری معلوم ہوتی تو مجلس میں نام لے کر اُس کا ذکر نہیں کرتے تھے، بلکہ صیغۂ تعمیم کے ساتھ فرماتے تھے کہ لوگ ایسا کرتے ہیں۔ لوگ ایسا کہتے ہیں بعض لوگوں کی یہ عادت ہے۔ یہ طریقۂ ابہام اس لیے اختیار فرماتے تھے کہ شخصِ مخصوص کی ذلت نہ ہو اور اس کے احساسِ غیرت میں کمی نہ آجائے۔ (سیرۃ النبی ﷺ)

مولانا شبلی نعمانی (۱۸۵۷ء۔۱۹۱۴ء)

اردو کے ارکان خمسہ کا ایک اہم نام شبلی نعمانی کا ہے۔ وہ ایک پُر وقار علمی شخصیت کے مالک تھے اور اپنے عہد میں ایک عالم دین شاعر، فلاسفر، مورخ، معلم، مقرر، مصلح، نقاد اور ماہر لسانیات کے طور پر جانے جاتے تھے۔ انھوں نے علی گڑھ یونیورسٹی سے تعلیم حاصل کی تھی جس میں اُن کی شخصی خوبیوں کو خوب جلا بخشی۔ انھیں اردو کے علاوہ فارسی اور عربی زبانوں پر عبور حاصل تھا اور انگریزی بھی جانتے تھے۔ وہ بیک وقت علی گڑھ اور ندوہ کی دو علمی اصلاحی اور مذہبی تحریکوں کا حصہ تھے۔ وہ انگریزی زبان سیکھنے اور سائنسی علوم تک رسائی حاصل کرنے کے حامی تھے۔

شبلی نعمانی کے قلم سے نسبت سی سوانح عمریاں قلم بند ہوئیں۔ انھوں نے دار المصنفین کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا جس میں اسلامی سوچ کے حامل مصنفین کی حوصلہ افزائی کی جاتی تھی۔ ۱۸۸۳ء میں انھوں نے شبلی کالج کے نام سے ایک اور ادارہ بھی قائم کیا۔ شبلی ہی کی کوششوں کا نتیجہ ہے کہ آج سیرت کے میدان میں ہمارے پاس مختلف لوگوں کی کتابیں رہنمائی کے لیے موجود ہیں۔ شبلی اپنی زندگی میں تو سیرت کا کام صرف دو جلدوں تک ہی لکھ پائے تھے جسے بعد میں اُن کے ہونہار شاگرد سید سلمان ندوی نے مکمل کیا۔

آپ کی تصانیف میں سیرت النبی ﷺ کے علاوہ، سیرت النعمان، الفاروق (حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ پر) المامون (عباسی خلیفہ مامون الرشید پر)، الغزالی (امام غزالی پر) امام ابن تیمیہ، اورنگ زیب عالم گیر لکھ کر سیرت و سوانح کو اُردو زبان میں متعارف کرایا۔ فارسی شاعری کی تاریخ پر شعر العجم، مذہبی حوالے سے مسلمانوں کی رہنمائی کے لیے علم الکلام اور ایک سفر نامہ روم و مصر و شام لکھا جو اُن کے خلافت عثمانیہ کے دورے کے احوال ہے بھی لکھا۔ اُن کی تصانیف سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ہمہ جہت شخصیت کے مالک تھے۔

مشق

۱۔ اخلاق نبوی ﷺ سے اسلامی ثقافت و معاشرت کے کن کن پہلوؤں پر روشنی پڑتی ہے۔ پانچ نکات مثالوں کے ساتھ تحریر کریں۔

۲۔ سبق کے پڑھے گئے درج ذیل حصے کو دہراتے ہوئے حوالوں اور دلائل کے ساتھ اظہار کریں جب کہ آخر میں دی گئی جزئیات کو پیش نظر رکھ کر تبصرہ بھی کریں۔

عباد بن شرجیل مدینہ میں ایک صاحب تھے۔ ایک دفعہ قحط پڑا اور بھوک کی حالت میں ایک باغ میں گھس گئے اور خوشے توڑ کر کچھ کھائے کچھ دامن میں رکھ لیے۔ باغ کے مالک کو معلوم ہوا تو اس نے آکر اُن کو مارا اور کپڑے اتروا لیے۔ یہ آں حضرت ﷺ کے پاس شکایت لے کر آئے۔ مدعا علیہ بھی ساتھ تھا۔ آپ ﷺ نے اس کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ یہ جاہل تھا اس کو تعلیم دینی تھی۔ یہ بھوکا تھا اُس کو کھانا کھلانا تھا۔ یہ کہہ کر کپڑے واپس دلوائے اور ساٹھ صاع غلہ اپنے پاس سے عنایت فرمایا۔

کسی شخص کی کوئی بات ناپسند آتی تو اکثر اُس کے سامنے اُس کا تذکرہ نہ فرماتے۔ ایک دفعہ ایک صاحب عرب کے دستور کے مطابق زعفران لگا کر خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ نے کچھ نہ فرمایا جب وہ اٹھ کر چلے گئے تو لوگوں سے کہا کہ اُن سے کہہ دینا کہ یہ رنگ دھو ڈالیں۔

ایک دفعہ ایک شخص نے باریابی کی اجازت چاہی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اچھا آنے دو۔ وہ اپنے قبیلے کا اچھا آدمی نہیں ہے لیکن جب وہ خدمت مبارک میں حاضر ہوا تو نہایت نرمی کے ساتھ اس سے گفتگو فرمائی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس پر تعجب ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا خدا کے نزدیک سب سے بُرا وہ شخص ہے جس کی بدزبانی کی وجہ سے لوگ اس سے ملنا جلنا چھوڑ دیں۔

(i) بھوکوں اور محتاجوں کو کھانا کھلانے کے تناظر میں حضور ﷺ کی تعلیمات سے حوالے دیجیے اور دلائل کے ساتھ اظہار کریں۔

(ii) محفل میں اگر کسی کی بات پسند نہ آئے تو ہمیں رد عمل میں کس قسم کا اظہار کرنا چاہیے؟ درج بالا عبارت کی روشنی میں تبصرہ کریں۔

۳۔ سبق 'اخلاق نبوی ﷺ' کو پڑھ کر اس کے اہم نکات کا خلاصہ لکھیں۔

۴۔ سبق کو پڑھ کر مصنف اور قاری کے نقطہ نظر کو سامنے رکھتے ہوئے مرکزی خیال تحریر کریں۔

۵۔ درج ذیل عبارت سبق کے درمیان سے لی گئی ہے، ایک طالب علم اسے بلند آواز میں درست تلفظ کے ساتھ ادا کرے جب کہ باقی طلبہ اس کے مرکزی خیال تک رسائی حاصل کر کے اس کے سیاق (دی گئی عبارت کے بعد کا حصہ) اور سباق (دی گئی عبارت سے قبل کا حصہ) کے ساتھ اس کے اہم نکات کو باری باری بیان کریں۔

غزوہ حنین سے واپس آرہے تھے کہ راہ میں نماز کا وقت آگیا۔ حسب دستور ٹھہر گئے۔ موذن نے اذان دی۔ ابو محذورہ جو اس وقت تک اسلام نہیں لائے تھے چند دوستوں کے ساتھ گشت لگا رہے تھے۔ اذان سن کر سب نے چلا چلا کر استہزا کے طور پر اذان کی نقل اتارنی شروع کر دی۔ آں حضرت ﷺ نے سب کو بلوا کر ایک ایک سے اذان کہلوائی۔ ابو محذورہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ خوش لحن تھے۔ ان کی آواز پسند آئی۔ سامنے بٹھا کر سر پر ہاتھ پھیرا اور برکت کے لیے دعا کی۔ پھر ان کو اذان سکھلا کر ارشاد فرمایا کہ جاؤ، اسی طرح حرم میں اذان دیا کرنا۔

۶۔اتوار کے دن کے اخبار میں مختلف موضوعات پر خبریں، اداریے اور فیچر شامل اشاعت ہوتے ہیں۔آپ ان میں سے اخلاقی، معاشی اور معاشرتی موضوع کی حامل خبروں، فیچروں کا منتخب کر کے کسی ایک ساتھی طالب علم کو کہیں کہ وہ درست تلفظ کے ساتھ ان کی بلند خوانی کرے۔ باقی طلبہ انھیں سن کر باری باری ان پر استحسانی اور تنقیدی گفت گو کریں۔

۷۔ متضاد الفاظ

ایسے الفاظ جو ایک دوسرے کے اُلٹ یا مخالف معانی ظاہر کریں۔ مثلاً: اسلام کا متضاد کفر

❖ درج ذیل الفاظ میں سے باہم متضاد جوڑیاں شناخت کرتے ہوئے اُنھیں جملوں میں استعمال کریں۔

بڑھاپا	خزاں	دشوار	حریف	جوانی
عارضی	بہار	حلیف	نشیب	فراز

❖ **سیرت نگاری**

سیرت نگاری اُسی روز شروع ہو گئی تھی جب نبی کریم ﷺ کے اقوال و افعال کو محفوظ کرنا شروع کیا گیا تھا۔ سیرۃ طیبہ ﷺ سے متعلق روایات اور حضور ﷺ کے مصدقہ اقوال کی تحقیق و تلاش نے وقت کے ساتھ ساتھ، فنِ حدیث اور فنِ مغازی کی صورت اختیار کرلی۔اُردو ادب میں سیرت نگاری کی منظوم ابتدا تو گیارھویں صدی ہجری میں ہو چکی تھی لیکن اُردو نثر ارتقائی سفر میں سیرت پر کتب اور تصنیف و تالیف تیرھویں صدی ہجری سے شروع ہوئی۔ سرسید احمد خان کے ''خطباتِ احمدیہ''، مولانا حالی کے ''معراج نامے، مولود نامے، شمائل نامے، نور نامے'' بیسویں صدی کے وسط میں تحریر ہوئے۔اسی دور میں مسلم مفکرین کی سیرت سے متعلقہ چند ایسی تصانیف سامنے آئیں جنھیں عوام میں زبردست پذیرائی ملی۔ شبلی نعمانی، سید سلیمان ندوی کی پانچ جلدوں پر مشتمل ''سیرۃ النبی ﷺ'' عوام و خواص میں خاص طور پر مقبول ہوئی۔ سیرت نگاری کی یہ روایت اپنی تمام تر توانائی، عقیدت اور درخشندگی کے ساتھ ہنوز جاری ہے۔

سرگرمی

- لائبریری سے شبلی نعمانی کی تصنیف و تالیف ''سیرۃ النبی ﷺ'' کی جلد اول جاری کروائیں۔اس کا بغور مطالعہ کریں اور اپنے استاد محترم یا استانی صاحبہ کی رہ نمائی میں اس کی تفہیم کرتے ہوئے تبصرہ کریں اور مختلف نظریات کے حامل قارئین پر اس کے اثرات کا تجزیہ پیش کریں۔

ہدایات برائے اساتذہ کرام

- سیرت نگاری کے اصولوں پر بات چیت کریں اور اُن کی روشنی میں شبلی نعمانی کی سیرت نگاری پر طلبہ سے رائے لیں۔
- اصناف ادب کے حوالے سے مختلف طرز ہائے تحریر کا تعارف کرائیں اور کتاب سے مختلف اصناف ادب کے متعلق مضامین پر طلبہ سے تبصرہ کریں۔

سعادت حسن منٹو (۱۹۱۲ء۔۱۹۵۵ء)

۲ نیا قانون

یہ سبق پڑھنے کے بعد طلبہ اس قابل ہو جائیں گے کہ وہ:

- کلام/بات کو آغاز/درمیان سے سن کر مرکزی خیال، نکتے یا تصور تک رسائی حاصل کر کے سیاق و سباق کو سمجھنے اور موضوع کو بیان کرنے کے قابل ہو سکیں۔
- مجازی اور اصطلاحی محضر میں گفتگو کر سکیں۔
- افسانوی و غیر افسانوی اقتباسات کو اس کے اسلوب اور بیان کے پیش نظر خاص مقاصد (تفہیم، تجزیہ، موازنہ وغیرہ) کے لیے پڑھ سکیں۔
- مختلف مقاصد کے لیے مرتب دفتری اور عدالتی مواد (مختلف فارم، رجسٹری برائے کرایہ، تقرر نامے، ملازمت کی درخواست، نکاح نامہ، عرضی، عدالتی حکم نامے، ضمانتی مچلکے وغیرہ) پر مبنی متن پڑھ سکیں اور اس کے مقصد تحریر کی اہمیت سے واقف ہو سکیں۔
- مختلف منظوم/منثور اصناف ادب پڑھ کر شعرا/مصنفین کے طرز تحریر پر تبصرہ کر سکیں۔
- کہانی/مضمون/سفر نامے/افسانے، ڈرامے کے اجزا اور ادبی محاسن کو شناخت کر سکیں۔
- مختلف عبارتیں پڑھ کر ان میں درج معلومات اور تصورات کی پیش کش پر تبصرہ کرتے ہوئے قارئین پر ان کے اثرات کا تجزیہ کر سکیں۔
- مترادف الفاظ کی شناخت کرتے ہوئے تحریر میں برجستہ استعمال کر سکیں۔

پڑھیں

منگو کوچوان اپنے اڈے میں بہت عقل مند آدمی سمجھا جاتا تھا۔ گو اس کی تعلیمی حیثیت صفر کے برابر تھی اور اس نے کبھی اسکول کا منہ بھی نہیں دیکھا تھا لیکن اس کے باوجود اسے دنیا بھر کی چیزوں کا علم تھا۔ اڈے کے وہ تمام کوچوان جن کو یہ جاننے کی خواہش ہوتی تھی کہ دنیا کے اندر کیا ہو رہا ہے، استاد منگو کی وسیع معلومات سے اچھی طرح واقف تھے۔

پچھلے دنوں جب استاد منگو نے اپنی ایک سواری سے اسپین میں جنگ چھڑ جانے کی افواہ سنی تھی تو اس نے گاما چودھری کے چوڑے کاندھے پر تھپکی دے کر مدبرانہ انداز میں پیش گوئی کی تھی: "دیکھ لینا گاما چودھری، تھوڑے ہی دنوں میں اسپین کے اندر جنگ چھڑ جائے گی۔ "

جب گاما چودھری نے اس سے یہ پوچھا تھا کہ اسپین کہاں واقع ہے تو استاد منگو نے بڑی متانت سے جواب دیا تھا، "ولایت میں اور کہاں؟ "

اسپین کی جنگ چھڑی اور جب ہر شخص کو پتہ چل گیا تو اسٹیشن کے اڈے میں جتنے کوچوان حقہ پی رہے تھے دل ہی دل میں استاد منگو کی بڑائی کا اعتراف کر رہے تھے اور استاد منگو اس وقت مال روڈ کی چمکیلی سطح پر تانگہ چلاتے ہوئے کسی سواری سے تازہ ہندو مسلم فساد پر تبادلہ خیال کر رہا تھا۔

اس روز شام کے قریب جب وہ اڈے میں آیا تو اس کا چہرہ غیر معمولی طور پر تمتمایا ہوا تھا۔ حقے کا دور چلتے چلتے جب ہندو مسلم فساد کی بات چھڑی تو استاد منگو نے سر پر سے خاکی پگڑی اتاری اور بغل میں داب کر بڑے مفکرانہ لہجے میں کہا: "یہ کسی پیر کی بددعا کا نتیجہ ہے کہ آئے دن ہندوؤں اور

مسلمانوں میں چاقو، چھریاں چلتی رہتی ہیں اور میں نے اپنے بڑوں سے سنا ہے کہ اکبر بادشاہ نے کسی درویش کا دل دکھایا تھا اور اس درویش نے جل کر یہ بددعا دی تھی: 'جا، تیرے ہندستان میں ہمیشہ فساد ہی ہوتے رہیں گے اور دیکھ لو جب سے اکبر بادشاہ کا راج ختم ہوا ہے ہندستان میں فساد پر فساد ہوتے رہتے ہیں۔" یہ کہہ کر اس نے ٹھنڈی سانس بھری اور پھر حقّے کا دم لگا کر اپنی بات شروع کی، "یہ کانگرسی ہندستان کو آزاد کرانا چاہتے ہیں۔ میں کہتا ہوں اگر یہ لوگ ہزار سال بھی سر پٹکتے رہیں تو کچھ نہ ہوگا۔ بڑی سے بڑی بات یہ ہوگی کہ انگریز چلا جائے گا اور کوئی اٹلی والا آجائے گا یا وہ روس والا جس کی بابت میں نے سنا ہے کہ بہت تگڑا آدمی ہے۔ لیکن ہندستان سدا غلام رہے گا۔ ہاں میں یہ کہنا بھول ہی گیا کہ پیر نے یہ بددعا بھی دی تھی کہ ہندستان پر ہمیشہ باہر کے آدمی راج کرتے رہیں گے۔"

استاد منگو کو انگریزوں سے بڑی نفرت تھی اور اس نفرت کا سبب تو وہ یہ بتلایا کرتا تھا کہ وہ ہندستان پر اپنا سکہ چلاتے ہیں اور طرح طرح کے ظلم ڈھاتے ہیں۔ مگر اس کے تنفّر کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ چھاؤنی کے گورے اسے بہت ستایا کرتے تھے۔ وہ اس کے ساتھ ایسا سلوک کرتے تھے گویا وہ ایک ذلیل کتا ہے۔ اس کے علاوہ اسے ان کا رنگ بھی بالکل پسند نہ تھا۔ جب کبھی وہ گورے کے سرخ و سپید چہرے کو دیکھتا تو اُسے متلی آجاتی۔ نامعلوم کیوں وہ کہا کرتا تھا کہ ان کے لال جھریوں بھرے چہرے دیکھ کر مجھے وہ لاش یاد آجاتی ہے جس کے جسم پر سے اوپر کی جھلّی گل گل کر جھڑ رہی ہو۔

جب کسی شرابی گورے سے اس کا جھگڑا ہو جاتا تو سارا دن اس کی طبیعت مکدّر رہتی اور وہ شام کو اڈے میں آکر ہل مارکہ سگرٹ پیتے یا حقّے کے کش لگاتے ہوئے اس 'گورے' کو جی بھر کر سنایا کرتا۔ "۔۔۔" یہ موٹی گالی دینے کے بعد وہ اپنے سر کو ڈھیلی پگڑی سمیت جھٹکا دے کر کہا کرتا تھا، "آگ لینے آئے تھے۔ اب گھر کے مالک ہی بن گئے ہیں۔ ناک میں دم کر رکھا ہے ان بندروں کی اولادنے۔ یوں رعب گانٹھتے ہیں گویا ہم ان کے باوا کے نوکر ہیں۔"

اس پر بھی اس کا غصہ ٹھنڈا نہیں ہوتا تھا۔ جب تک اس کا کوئی ساتھی اس کے پاس بیٹھا رہتا وہ اپنے سینے کی آگ اگلتا رہتا، "شکل دیکھتے ہو نا تم اس کی۔۔۔ جیسے کوڑھ ہو رہا ہے۔۔۔ بالکل مردار، ایک دھپّے کی مار اور گٹ پٹ یوں بک رہا تھا جیسے مار ہی ڈالے گا۔ تیری جان کی قسم، پہلے پہل جی میں آئی کہ ملعون کی کھوپڑی کے پرزے اڑا دوں لیکن اس خیال سے ٹل گیا کہ اس مردود کو مارنا اپنی ہتک ہے۔۔۔" یہ کہتے کہتے وہ تھوڑی دیر کے لیے خاموش ہو جاتا اور ناک کو خاکی قمیص سے صاف کرنے کے بعد پھر بڑبڑانے لگ جاتا، "قسم ہے بھگوان کی ان لاٹ صاحبوں کے ناز اٹھاتے اٹھاتے تنگ آگیا ہوں۔ جب کبھی ان کا منحوس چہرہ دیکھتا ہوں رگوں میں خون کھولنے لگ جاتا ہے۔ کوئی نیا قانون وانون بنے تو ان لوگوں سے نجات ملے۔ تیری قسم جان میں جان آجائے۔"

اور جب ایک روز استاد منگو نے کچہری سے اپنے تانگے پر دو سواریاں لادیں اور ان کی گفتگو سے اسے پتہ چلا کہ ہندستان میں جدید آئین کا نفاذ ہونے والا ہے تو اس کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔

دو مارواڑی جو کچہری میں اپنے دیوانی مقدمے کے سلسلے میں آئے تھے گھر جاتے ہوئے جدید آئین یعنی انڈیا ایکٹ کے متعلق آپس میں بات چیت کر رہے تھے، "سنا ہے کہ پہلی اپریل سے ہندوستان میں نیا قانون چلے گا۔۔۔ یا ہر چیز بدل جائے گی؟"

"ہر چیز تو نہیں بدلے گی۔ مگر کہتے ہیں کہ بہت کچھ بدل جائے گا اور ہندستانیوں کو آزادی مل جائے گی؟"

"کیا بیاج کے متعلق بھی کوئی نیا قانون پاس ہوگا؟"

"یہ پوچھنے کی بات ہے کل کسی وکیل سے دریافت کریں گے۔" ان مارواڑیوں کی بات چیت استاد منگو کے دل میں ناقابل بیان خوشی پیدا کر رہی تھی۔ وہ اپنے گھوڑے کو ہمیشہ گالیاں دیتا تھا اور چابک سے بہت بری طرح پیٹا کرتا تھا۔ مگر اس روز وہ بار بار پیچھے مڑ کر مارواڑیوں کی طرف دیکھتا اور اپنی بڑھی ہوئی

مونچھوں کے بال ایک انگلی سے بڑی صفائی کے ساتھ اونچے کر کے گھوڑے کی پیٹھ پر باگیں ڈھیلی کرتے ہوئے بڑے پیار سے کہتا، "چل بیٹا۔۔۔ ذرا ہوا سے باتیں کر کے دکھا دے۔"

مارواڑیوں کو ان کے ٹھکانے پہنچا کر اس نے انار کلی میں دینو حلوائی کی دکان پر آدھ سیر دہی کی لسی پی کر ایک بڑی ڈکار لی۔ اور مونچھوں کو منہ میں دبا کر ان کو چوستے ہوئے ایسے ہی بلند آواز میں کہا، "ہت تیری ایسی تیسی۔"

شام کو جب وہ اڈے کو لوٹا تو خلافِ معمول اسے وہاں اپنی جان پہچان کا کوئی آدمی نہ مل سکا۔ یہ دیکھ کر اس کے سینے میں ایک عجیب و غریب طوفان برپا ہو گیا۔ آج وہ ایک بڑی خبر اپنے دوستوں کو سنانے والا تھا۔۔۔ بہت بڑی خبر، اور اس خبر کو اپنے اندر سے نکالنے کے لیے وہ سخت مجبور ہو رہا تھا لیکن وہاں کوئی تھا ہی نہیں۔

آدھ گھنٹے تک وہ چابک بغل میں دبائے اسٹیشن کے اڈے کی آہنی چھت کے نیچے بے قراری کی حالت میں ٹہلتا رہا۔ اس کے دماغ میں بڑے اچھے اچھے خیالات آ رہے تھے۔ نئے قانون کے نفاذ کی خبر نے اس کو ایک نئی دنیا میں لا کر کھڑا کر دیا تھا۔ وہ اس نئے قانون کے متعلق جو پہلی اپریل کو ہندستان میں نافذ ہونے والا تھا اپنے دماغ کی تمام بتیاں روشن کر کے غور و فکر کر رہا تھا۔ اس کے کانوں میں مارواڑی کا یہ اندیشہ "کیا بیاج کے متعلق بھی کوئی نیا قانون پاس ہو گا؟" بار بار گونج رہا تھا۔ اور اس کے تمام جسم میں مسرّت کی ایک لہر دوڑ رہا تھا۔ کئی بار اپنی گھنی مونچھوں کے اندر ہنس کر اس نے مارواڑیوں کو گالی دی۔۔۔ "غریبوں کی کٹیا میں گھسے ہوئے کھٹمل۔۔۔ نیا قانون ان کے لیے کھولتا ہوا پانی ہو گا۔"

وہ بے حد مسرور تھا، خاص کر اس وقت اس کے دل کو بہت ٹھنڈک پہنچتی جب وہ خیال کرتا کہ گوروں۔۔۔ سفید چوہوں (وہ ان کو اسی نام سے یاد کیا کرتا تھا) کی تھوتھنیاں نئے قانون کے آتے ہی بلوں میں ہمیشہ کے لیے غائب ہو جائیں گی۔

جب نتھو گنجا، پگڑی بغل میں دبائے، اڈے میں داخل ہوا تو استاد منگو بڑھ کر اس سے ملا اور اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر بلند آواز سے کہنے لگا، "لا ہاتھ ادھر۔۔۔ ایسی خبر سناؤں کہ جی خوش ہو جائے۔۔۔ تیری اس گنجی کھوپڑی پر بال اگ آئیں۔" اور یہ کہہ کر منگو نے بڑے مزے لے لے کر نئے قانون کے متعلق اپنے دوست سے باتیں شروع کر دیں۔ دورانِ گفتگو میں اس نے کئی مرتبہ نتھو گنجے کے ہاتھ پر زور سے اپنا ہاتھ مار کر کہا، "تو دیکھتا رہ، کیا بنتا ہے، یہ روس والا بادشاہ کچھ نہ کچھ ضرور کر کے رہے گا۔"

استاد منگو موجودہ سوویت نظام کی اشتراکی سرگرمیوں کے متعلق بہت کچھ سن چکا تھا۔ اور اسے وہاں کے نئے قانون اور دوسری نئی چیزیں بہت پسند تھیں۔ اسی لیے اس نے روس والے بادشاہ کو "انڈیا ایکٹ" یعنی جدید آئین کے ساتھ ملا دیا۔ اور پہلی اپریل کو پرانے نظام میں جو نئی تبدیلیاں ہونے والی تھیں۔ وہ انھیں "روس والے بادشاہ" کے اثر کا نتیجہ سمجھتا تھا۔

کچھ عرصے سے پشاور اور دیگر شہروں میں سرخ پوشوں کی تحریک جاری تھی۔ منگو نے اس تحریک کو اپنے دماغ میں 'روس والے بادشاہ' اور پھر نئے قانون کے ساتھ خلط ملط کر دیا تھا۔ اس کے علاوہ جب کبھی وہ کسی سے سنتا کہ فلاں شہر میں بم ساز پکڑے گئے ہیں۔ یا فلاں جگہ اتنے آدمیوں پر بغاوت کے الزام میں مقدمہ چلایا گیا ہے۔ تو ان تمام واقعات کو نئے قانون کا پیش خیمہ سمجھتا اور دل ہی دل میں خوش ہوتا۔

ایک روز اس کے تانگے میں دو بیرسٹر بیٹھے نئے آئین پر بڑے زور سے تبادلہ خیال کر رہے تھے۔ اور وہ خاموشی سے ان کی باتیں سن رہا تھا۔ ان میں سے ایک، دوسرے سے کہہ رہا تھا، "جدید آئین کا دوسرا حصہ فیڈریشن ہے جو میری سمجھ میں ابھی تک نہیں آسکا۔ فیڈریشن دنیا کی تاریخ میں آج

تک نہ سنی نہ دیکھی گئی۔ سیاسی نظریہ سے بھی یہ فیڈریشن بالکل غلط ہے۔ بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ یہ کوئی فیڈریشن ہے ہی نہیں "!

ان بیرسٹروں کے درمیان جو گفتگو ہوئی اس میں بیشتر الفاظ انگریزی کے تھے۔ اس لیے استاد منگو صرف اوپر کے جملے ہی کو کسی قدر سمجھا اور اس نے کہا، "یہ لوگ ہندوستان میں نئے قانون کی آمد کو برا سمجھتے ہیں اور نہیں چاہتے کہ ان کا وطن آزاد ہو۔" چناں چہ اس خیال کے زیر اثر اس نے کئی مرتبہ ان دو بیرسٹروں کو حقارت کی نگاہوں سے دیکھ کر کہا، "ٹوڈی بچے "!

جب کبھی وہ کسی کو دبی زبان میں "ٹوڈی بچہ" کہتا تو دل میں یہ محسوس کر کے بڑا خوش ہوتا کہ اس نے اس نام کو صحیح جگہ استعمال کیا ہے اور یہ کہ وہ شریف آدمی اور "ٹوڈی بچے" کی تمیز کرنے کی اہلیت رکھتا ہے۔

اس واقعے کے تیسرے روز وہ گورنمنٹ کالج کے تین طلبا کو اپنے تانگے میں بٹھا کر مزنگ جارہا تھا کہ اس نے ان تین لڑکوں کو آپس میں یہ باتیں کرتے سنا، "نئے آئین نے میری امیدیں بڑھادی ہیں اگر ـــــ صاحب اسمبلی کے ممبر ہو گئے۔ تو کسی سرکاری دفتر میں ملازمت ضرور مل جائے گی۔ "

"ویسے بھی بہت سی جگہیں اور نکلیں گی۔ شاید اسی گڑبڑ میں ہمارے ہاتھ بھی کچھ آجائے۔ "

"ہاں ہاں کیوں نہیں۔ "

"وہ بے کار گریجویٹ جو مارے مارے پھر رہے ہیں۔ ان میں کچھ تو کمی ہو گی۔ "

اس گفتگو نے استاد منگو کے دل میں جدید آئین کی اہمیت اور بھی بڑھادی۔ وہ اس کو ایسی 'چیز' سمجھنے لگا جو بہت چمکتی ہو۔ 'نیا قانون ـــــ!' وہ دن میں کئی بار سوچتا، یعنی کوئی 'نئی چیز!' اور ہر بار اس کی نظروں کے سامنے اپنے گھوڑے کا وہ ساز آجاتا۔ جو اس نے دو برس ہوئے چودھری خدا بخش سے اچھی طرح ٹھونک بجا کر خریدا تھا۔ اس ساز پر جب وہ نیا تھا۔ جگہ جگہ لوہے کی نکل چڑھی ہوئی کیلیں چمکتی تھیں اور جہاں جہاں پیتل کا کام تھا وہ تو سونے کی طرح دمکتا تھا۔ اس لحاظ سے بھی 'نئے قانون' کا درخشاں و تاباں ہونا ضروری تھا۔

پہلی اپریل تک استاد منگو نے جدید آئین کے خلاف اور اس کے حق میں بہت کچھ سنا۔ مگر اس کے متعلق جو تصور وہ اپنے ذہن میں قائم کر چکا تھا، بدل نہ سکا۔ وہ سمجھتا تھا کہ پہلی اپریل کو نئے قانون کے آتے ہی سب معاملہ صاف ہو جائے گا اور اس کو یقین تھا کہ اس کی آمد پر جو چیزیں نظر آئیں گی ان سے اس کی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچے گی۔

آخر کار مارچ کے اکتیس دن ختم ہو گئے اور اپریل کے شروع ہونے میں رات کے چند خاموش گھنٹے باقی رہ گئے۔ موسم خلافِ معمول سرد تھا اور ہوا میں تازگی تھی۔ پہلی اپریل کو صبح سویرے استاد منگو اٹھا اور اصطبل میں جا کر گھوڑے کو جوتا اور باہر نکل گیا۔ اس کی طبیعت آج غیر معمولی طور پر مسرور تھی ـــــ وہ نئے قانون کو دیکھنے والا تھا۔

اس نے صبح کے سرد دھندلکے میں کئی تنگ اور کھلے بازاروں کا چکر لگایا۔ مگر اسے ہر چیز پرانی نظر آئی۔ آسمان کی طرح پرانی۔ اس کی نگاہیں آج خاص طور پر نیا رنگ دیکھنا چاہتی تھیں۔ مگر سوائے اس کلغی کے جو رنگ برنگ کے پروں سے بنی تھی اور اس کے گھوڑے کے سر پر جمی ہوئی تھی اور سب چیزیں پرانی نظر آتی تھیں۔ یہ نئی کلغی اس نے نئے قانون کی خوشی میں یکم مارچ کو چودھری خدا بخش سے ساڑھے چودہ آنہ میں خریدی تھی۔

گھوڑے کی ٹاپوں کی آواز، کالی سڑک اور اس کے آس پاس تھوڑا تھوڑا فاصلہ چھوڑ کر لگائے ہوئے بجلی کے کھمبے، دکانوں کے بورڈ، اس کے گھوڑے کے گلے میں پڑے ہوئے گھنگرو کی جھنجھناہٹ، بازار میں چلتے پھرتے آدمی ـــــ ان میں سے کون سی چیز نئی تھی؟ ظاہر ہے کہ کوئی بھی نہیں لیکن استاد منگو مایوس نہیں تھا۔

"ابھی بہت سویرا ہے دکانیں بھی تو سب کی سب بند ہیں۔" اس خیال سے اسے تسکین تھی۔ اس کے علاوہ وہ یہ بھی سوچتا تھا، "ہائی کورٹ میں نو بجے کے بعد ہی کام شروع ہوتا ہے۔ اب اس سے پہلے نئے قانون کا کیا نظر آئے گا؟ "

جب اس کا تانگہ گورنمنٹ کالج کے دروازے کے قریب پہنچا۔ تو کالج کے گھڑیال نے بڑی رعونت سے نو بجائے۔ جو طلبا کالج کے بڑے دروازے سے باہر نکل رہے تھے۔ خوش پوش تھے۔ مگر استاد منگو کو نہ جانے ان کے کپڑے میلے میلے سے کیوں نظر آئے۔ شاید اس کی وجہ یہ تھی، کہ اس کی نگاہیں آج کسی خیرہ کن جلوے کا نظارہ کرنے والی تھیں۔

تانگے کو دائیں ہاتھ موڑ کر وہ تھوڑی دیر کے بعد پھر انار کلی میں تھا۔ بازار کی آدھی دکانیں کھل چکی تھیں اور اب لوگوں کی آمد و رفت بھی بڑھ گئی تھی۔ حلوائی کی دکانوں پر گاہکوں کی خوب بھیڑ تھی۔ منیاری والوں کی نمائشی چیزیں شیشے کی الماریوں میں لوگوں کو دعوتِ نظارہ دے رہی تھیں اور بجلی کے تاروں پر کئی کبوتر آپس میں لڑ جھگڑ رہے تھے۔ مگر استاد منگو کے لیے ان تمام چیزوں میں کوئی دلچسپی نہ تھی۔۔۔ وہ نئے قانون کو دیکھنا چاہتا تھا۔ ٹھیک اسی طرح جس طرح وہ اپنے گھوڑے کو دیکھ رہا تھا۔

جب استاد منگو کے گھر میں بچہ پیدا ہونے والا تھا۔ تو اس نے چار پانچ مہینے بڑی بے قراری سے گزارے تھے۔ اس کو یقین تھا کہ بچہ کسی نہ کسی دن ضرور پیدا ہو گا مگر وہ انتظار کی گھڑیاں نہیں کاٹ سکتا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ اپنے بچے کو صرف ایک نظر دیکھ لے۔ اس کے بعد وہ پیدا ہوتا رہے۔ ایک مرتبہ وہ انتظار کرتے کرتے اس قدر تنگ آگیا تھا کہ اپنی بیوی پر برس پڑا تھا، "تو ہر وقت مردے کی طرح پڑی رہتی ہے۔ اٹھ ذرا چل پھر، تیرے انگ میں تھوڑی سی طاقت تو آئے۔ یوں تختہ بنے رہنے سے کچھ نہ ہو سکے گا۔ تو سمجھتی ہے کہ اس طرح لیٹے لیٹے بچہّ جن دے گی؟ "

استاد منگو طبعاً بہت جلد باز واقع ہوا تھا۔ وہ ہر سبب کی عملی تشکیل دیکھنے کا خواہش مند تھا بلکہ متجسّس تھا۔ اس کی بیوی گنگا دیوی اس کی اس قسم کی بے قراریوں کو دیکھ کر عام طور پر یہ کہا کرتی تھی، "ابھی کنواں کھودا نہیں گیا اور پیاس سے نڈھال ہو رہے ہو۔ "

کچھ بھی ہو مگر استاد منگو نئے قانون کے انتظار میں اتنا بے قرار نہیں تھا۔ جتنا کہ اسے اپنی طبیعت کے لحاظ سے ہونا چاہیے تھا۔ وہ نئے قانون کو دیکھنے کے لیے گھر سے نکلا تھا، ٹھیک اسی طرح جیسے وہ گاندھی یا جواہر لعل کے جلوس کا نظارہ کرنے کے لیے نکلا کرتا تھا۔

لیڈروں کی عظمت کا اندازہ اُستاد منگو ہمیشہ ان کے جلوس کے ہنگاموں اور ان کے گلے میں ڈالے ہوئے پھولوں کے ہاروں سے کیا کرتا تھا اگر کوئی لیڈر گیندے کے پھولوں سے لدا ہو تو استاد منگو کے نزدیک، وہ بڑا آدمی تھا۔ اور اگر کسی لیڈر کے جلوس میں بھیڑ کے باعث دو تین فساد ہوتے ہوتے رہ جائیں۔ تو اس کی نگاہوں میں وہ اور بھی بڑا تھا۔ اب نئے قانون کو وہ اپنے ذہن کے اسی ترازو میں تولنا چاہتا تھا۔

انار کلی سے نکل کر وہ مال روڈ کی چمکیلی سطح پر اپنے تانگے کو آہستہ آہستہ چلا رہا تھا کہ موٹروں کی دکان کے پاس اسے چھاؤنی کی ایک سواری مل گئی۔ کرایہ طے کرنے کے بعد اس نے اپنے گھوڑے کو چابک دکھایا۔ اور دل میں خیال کیا، "چلو یہ بھی اچھا ہوا۔۔۔ شاید چھاؤنی ہی سے نئے قانون کا کچھ پتہ چل جائے۔ "

چھاؤنی پہنچ کر استاد منگو نے سواری کو اس کی منزل مقصود پر اتار دیا۔ اور جیب سے سگریٹ نکال کر بائیں ہاتھ کی آخری دو انگلیوں میں دبا کر سلگایا۔ اور پچھلی نشست کے گدّے پر بیٹھ گیا۔۔۔ جب استاد منگو کو کسی سواری کی تلاش نہیں ہوتی تھی۔ یا اسے کسی بیتے ہوئے واقعے پر غور کرنا ہوتا تھا۔ تو وہ عام طور پر اگلی نشست چھوڑ کر پچھلی نشست پر بڑے اطمینان سے بیٹھ کر اپنے گھوڑے کی باگیں دائیں ہاتھ کے گرد لپیٹ لیا کرتا تھا۔ ایسے موقعوں پر

اس کا گھوڑا تھوڑا سا ہنہنانے کے بعد بڑی دھیمی چال چلنا شروع کر دیتا تھا۔ گویا اسے کچھ دیر کے لیے بھاگ دوڑ سے چھٹی مل گئی ہے۔

گھوڑے کی چال اور استاد منگو کے دماغ میں خیالات کی آمد بہت سست تھی۔ جس طرح گھوڑا آہستہ آہستہ قدم اٹھا رہا تھا۔ اسی طرح استاد منگو کے ذہن میں نئے قانون کے متعلق نئے قیاسات داخل ہو رہے تھے۔

وہ نئے قانون کی موجودگی میں میونسپل کمیٹی سے تانگوں کے نمبر ملنے کے طریقے پر غور کر رہا تھا۔ وہ اس قابل غور بات کو آئینِ جدید کی روشنی میں دیکھنے کی سعی کر رہا تھا۔ وہ اس سوچ بچار میں غرق تھا۔ اسے یوں معلوم ہوا جیسے کسی سواری نے اسے بلایا ہے۔ پیچھے پلٹ کر دیکھنے سے اسے سڑک کے اس طرف دُور بجلی کے کھمبے کے پاس ایک "گورا" کھڑا نظر آیا۔ جو اسے ہاتھ سے بلا رہا تھا۔

جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے استاد منگو کو گوروں سے بے حد نفرت تھی۔ جب اس نے اپنے تازہ گاہک کو گورے کی شکل میں دیکھا تو اس کے دل میں نفرت کے جذبات بیدار ہو گئے۔ پہلے تو اس کے جی میں آئی کہ بالکل توجہ نہ دے اور اس کو چھوڑ کر چلا جائے مگر بعد میں اس کو خیال آیا ان کے پیسے چھوڑنا بھی بیوقوفی ہے۔ کلغی پر جو مفت میں ساڑھے چودہ آنے خرچ کر دیے ہیں، ان کی جیب ہی سے وصول کرنے چاہییں۔ چلو چلتے ہیں۔

خالی سڑک پر بڑی صفائی سے تانگا موڑ کر اس نے گھوڑے کو چابک دکھایا اور آنکھ جھپکنے میں وہ بجلی کے کھمبے کے پاس تھا۔ گھوڑے کی باگیں کھینچ کر اس نے تانگہ ٹھہرایا اور پچھلی نشست پر بیٹھے بیٹھے گورے سے پوچھا، "صاحب بہادر کہاں جانا مانگتا ہے؟" اس سوال میں بلا کا طنزیہ انداز تھا، صاحب بہادر کہتے وقت اس کا اوپر کا مونچھوں بھرا ہونٹ نیچے کی طرف کھنچ گیا۔ اور پاس ہی گال کے اس طرف جو مدھم سی لکیر ناک کے نتھنے سے ٹھوڑی کے بالائی حصے تک چلی آ رہی تھی، ایک لرزش کے ساتھ گہری ہو گئی، گویا کسی نے نوکیلے چاقو سے شیشم کی سانولی لکڑی میں دھاری ڈال دی ہے۔ اس کا سارا چہرہ ہنس رہا تھا، اور اپنے اندر اس نے اس "گورے" کو سینے کی آگ میں جلا کر بھسم کر ڈالا تھا۔

جب "گورے" نے جو بجلی کے کھمبے کی اوٹ میں ہوا کا رخ بچا کر سگرٹ سلگا رہا تھا مڑ کر تانگے کے پائدان کی طرف قدم بڑھایا تو اچانک استاد منگو کی اور اس کی نگاہیں چار ہوئیں اور ایسا معلوم ہوا کہ بیک وقت آمنے سامنے کی بندوقوں سے گولیاں خارج ہوئیں اور آپس میں ٹکرا کر ایک آتشیں بگولا بن کر اوپر کو اڑ گئیں۔

استاد منگو جو اپنے دائیں ہاتھ سے باگ کے بل کھول کر تانگے پر سے نیچے اُترنے والا تھا۔ اپنے سامنے کھڑے 'گورے' کو یوں دیکھ رہا تھا گویا وہ اس کے وجود کے ذرّے ذرّے کو اپنی نگاہوں سے چبا رہا ہے۔ اور گورا کچھ اس طرح اپنی نیلی پتلون پر سے غیر مرئی چیزیں جھاڑ رہا ہے، گویا وہ استاد منگو کے اس حملے سے اپنے وجود کے کچھ حصے کو محفوظ رکھنے کی کوشش کر رہا ہے۔

گورے نے سگریٹ کا دھواں نکالتے ہوئے کہا، "جانا مانگتا یا پھر گڑبڑ کرے گا؟"

"وہی ہے" یہ لفظ استاد منگو کے ذہن میں پیدا ہوئے اور اس کی چوڑی چھاتی کے اندر ناچنے لگے۔

"وہی ہے۔" اس نے یہ لفظ اپنے منہ کے اندر ہی اندر دہرائے اور ساتھ ہی اسے پورا یقین ہو گیا کہ وہ گورا جو اس کے سامنے کھڑا تھا وہی ہے جس سے پچھلے برس اس کی جھڑپ ہوئی تھی، اور اس خواہ مخواہ کے جھگڑے میں جس کا باعث گورے کے دماغ میں چڑھی ہوئی شراب تھی۔ اسے طوعاً و کرہاً بہت سی باتیں سہنا پڑی تھیں۔ استاد منگو نے گورے کا دماغ درست کر دیا ہوتا بلکہ اس کے پرزے اڑا دیے ہوتے، مگر وہ کسی خاص مصلحت کی بنا پر خاموش ہو گیا تھا۔ اس کو معلوم تھا کہ اس قسم کے جھگڑوں میں عدالت کا نزلہ عام طور پر کوچوانوں ہی پر گرتا ہے۔

استاد منگو نے پچھلے برس کی لڑائی اور پہلی اپریل کے نئے قانون پر غور کرتے ہوئے گورے سے کہا، "کہاں جانا مانگتا ہے؟" استاد منگو کے لہجے میں چابک ایسی تیزی تھی۔ گورے نے جواب دیا۔ "ہیرا منڈی۔"

"کرایہ پانچ روپے ہوگا"۔ استاد منگو کی مونچھیں تھرتھرائیں۔

یہ سن کر گورا حیران ہو گیا۔ وہ چلایا۔ "پانچ روپے۔ کیا تم۔۔۔؟"

"ہاں، ہاں، پانچ روپے۔" یہ کہتے ہوئے استاد منگو کا داہنا بالوں بھرا ہاتھ بھینچ کر ایک وزنی گھونسے کی شکل اختیار کر گیا۔ "کیوں جاتے ہو یا بے کار باتیں بناؤ گے؟" استاد منگو کا لہجہ زیادہ سخت ہو گیا۔

گورا پچھلے برس کے واقعے کو پیش نظر رکھ کر استاد منگو کے سینے کی چوڑائی نظر انداز کر چکا تھا۔ وہ خیال کر رہا تھا کہ اس کی کھوپڑی پھر کھجلا رہی ہے۔ اس حوصلہ افزا خیال کے زیر اثر وہ تانگے کی طرف اکڑ کر بڑھا اور اپنی چھڑی سے استاد منگو کو تانگے پر سے نیچے اترنے کا اشارہ کیا۔ بید کی یہ پالش کی ہوئی پتلی چھڑی استاد منگو کی موٹی ران کے ساتھ دو تین مرتبہ چھوئی۔ اس نے کھڑے کھڑے اوپر سے پست قد گورے کو دیکھا گویا وہ اپنی نگاہوں کے وزن ہی سے اسے پیس ڈالنا چاہتا ہے۔ پھر اس کا گھونسہ کمان میں سے تیر کی طرح سے اوپر کو اٹھا اور چشم زدن میں گورے کی ٹھڈی کے نیچے جم گیا۔ دھکا دے کر اس نے گورے کو پرے ہٹایا۔ اور نیچے اتر کر اسے دھڑا دھڑ پیٹنا شروع کر دیا۔

ششدر و متحیر گورے نے ادھر ادھر سمٹ کر استاد منگو کے وزنی گھونسوں سے بچنے کی کوشش کی۔ اور جب دیکھا کہ اس کے مخالف پر دیوانگی کی سی حالت طاری ہے۔ اور اس کی آنکھوں میں سے شرارے برس رہے ہیں۔ تو اس نے زور زور سے چلانا شروع کیا۔ اس کی چیخ و پکار نے استاد منگو کی بانہوں کا کام اور بھی تیز کر دیا۔ وہ گورے کو جی بھر کے پیٹ رہا تھا اور ساتھ ساتھ یہ کہتا جاتا تھا، "پہلی اپریل کو بھی وہی اکڑ فوں۔۔۔ پہلی اپریل کو بھی وہی اکڑ فوں۔۔۔ اب ہمارا راج ہے بچہ"!

لوگ جمع ہو گئے۔ اور پولیس کے دو سپاہیوں نے بڑی مشکل سے گورے کو استاد منگو کی گرفت سے چھڑایا۔ استاد منگو ان دو سپاہیوں کے درمیان کھڑا تھا اس کی چوڑی چھاتی پھولی سانس کی وجہ سے اوپر نیچے ہو رہی تھی۔ منہ سے جھاگ بہہ رہا تھا۔ اور اپنی مسکراتی ہوئی آنکھوں سے حیرت زدہ مجمع کی طرف دیکھ کر وہ ہانپتی ہوئی آواز میں کہہ رہا تھا۔

"وہ دن گزر گئے۔ جب خلیل خاں فاختہ اڑایا کرتے تھے۔۔۔ اب نیا قانون ہے میاں۔۔۔ نیا قانون"!

اور بے چارا گورا اپنے بگڑے ہوئے چہرے کے ساتھ بے وقوفوں کے مانند کبھی استاد منگو کی طرف دیکھتا تھا اور کبھی ہجوم کی طرف۔

استاد منگو کو پولیس کے سپاہی تھانے میں لے گئے۔ راستے میں اور تھانے کے اندر کمرے میں وہ "نیا قانون نیا قانون" چلاتا رہا۔ مگر کسی نے ایک نہ سنی۔

"نیا قانون، نیا قانون۔ کیا بک رہے ہو۔۔۔ قانون وہی ہے پرانا"!

اور اس کو حوالات میں بند کر دیا گیا!

(منٹو کے بہترین افسانے)

سعادت حسن منٹو (۱۹۱۲ء-۱۹۵۵ء)

سعادت حسن منٹو کی پیدائش سمبرالا (لدھیانہ) میں ہوئی۔ اپنے افسانوں کی طرح منٹو کی ذاتی زندگی بھی دل چسپ اور مختصر ہی تھی۔ زمانۂ طالب علمی ہی سے ادب میں دل چسپی تھی۔ تعلیمی سرگرمیوں کو ادھورا چھوڑ کر عملی زندگی کا آغاز کر دیا۔ غیر ملکی کہانیوں سے تراجم کا جو سلسلہ شروع کیا وہ تخلیقی کہانیوں کی اس انتہا پر پہنچا کہ سعادت حسن منٹو اور اردو افسانہ ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ہو گئے۔ آل انڈیا ریڈیو، لاہور اور بمبئی کے متعدد فلمی رسالوں کی نہ صرف ادارت کی ذمہ داریاں سرانجام دیں بلکہ فلموں کی کہانیاں بھی تحریر کیں۔ ان کی تخلیقی صلاحیتوں کو بمبئی کی فضا اور ماحول سے جِلا ملی اور ان کا فنِ افسانہ نگاری خوب نکھر کر سامنے آیا۔ منٹو نے بعض ایسے سماجی اور معاشرتی موضوعات پر نہایت بہادری اور فنی نزاکت سے قلم اٹھایا اور ایسی موثر کہانیاں تخلیق کیں جو صرف منٹو ہی کا خاصا گردانی جاتی ہیں۔ منٹو انسانی زندگی کی مختلف پرتوں، پہلوؤں اور نفسیات سے آگاہ تھے اور اسی آگاہی کو انھوں نے اپنے افسانوں کی ٹریٹمنٹ میں کامیابی سے استعمال کیا۔ اردو افسانہ نگاری کو پُر تکلف زبان سے نجات دلا کر بے تکلفی کی فضا سے آشنا کیا۔ قیام پاکستان کے بعد سعادت حسن منٹو بمبئی سے لاہور آ گئے لیکن یہاں بھی گردش حالات نے کوئی مثبت اور خوش آئند کروٹ نہ بدلی اور منٹو کی ساری عمر ہی افلاس اور کسمپرسی میں کٹی۔ منٹو نے زندگی کو ایک بازی کی طرح کھیلا اور ہار کر بھی جیت گئے۔ اپنی بیس سالہ ادبی زندگی میں اڑھائی سو کے لگ بھگ افسانے اور ایک سو کے قریب ڈرامے تخلیق کیے۔ متعدد فلموں کی کہانیاں، مکالمے، شخصیات کے خاکے اور متعدد مضامین بھی تحریر کیے۔ منٹو کے فنِ افسانہ نگاری کے بارے میں درست کہا جاتا ہے کہ انھوں نے بے شمار عقائد، مسلمات اور تصورات کو اپنی بے لاگ اور سفاک حقیقت نگاری سے ریزہ ریزہ کیا یہی وجہ ہے کہ منٹو کہا کرتے تھے کہ میں معاشرے کی بے ہودگیوں اور خرافات ہی کے متعلق لکھتا ہوں۔ منٹو کی بے لاگ اور حقیقت پسندانہ تحریریں بہت سے حلقوں کو ناگوار بھی گزرتی تھیں۔ منٹو نے اپنے افسانوں میں خیالی کرداروں کی بجائے سماج کے ہر طبقے اور انسانوں کی زندگی کو نفسیاتی اور جذباتی تہ داری کے ساتھ منتقل کر کے مکروہ چہروں کو بے نقاب کرنے کی ذمہ داری نبھائی۔ سعادت حسن منٹو کی تخلیقات دنیا کی مختلف زبانوں میں ترجمہ ہو چکی ہیں۔ ان کی تصنیفات میں سرگزشت اسیر، ویرا (تراجم)، آتش پارے، دھواں، لذتِ سنگ، چغد، ٹھنڈا گوشت، نمرود کی خدائی، بادشاہت کا خاتمہ سمیت ۲۵ کے قریب ہیں۔ سعادت حسن منٹو نے لاہور میں وفات پائی اور یہیں سپردِ خاک کیے گئے۔ سعادت حسن منٹو کو "نشانِ امتیاز" سمیت کئی ایوارڈز سے بھی نوازا گیا۔

مشق

۱۔ مصنف کی تکنیک مقصد اور اسلوب پر مبنی درج ذیل سوالات کے جواب دیں۔

الف۔ سعادت حسن منٹو کے افسانوں کے موضوعات کیا ہیں؟

ب۔ سعادت حسن منٹو نے اردو افسانے کے ارتقا میں کیا کردار ادا کیا؟

ج۔ اڈے کے تمام کوچوانوں کے لیے منگو کی کیا علمی حیثیت تھی؟

د۔ منگو کوچوان نے ہندو مسلم فساد کی کیا وجہ بتائی تھی؟

ر۔ ہندوستان کی آزادی اور غلامی کے متعلق منگو کی کیا رائے تھی؟

ہ۔ گورے سے جھگڑا ہونے کے بعد اڈے پہ آ کر منگو کوچوان گوروں کے متعلق کن خیالات کا اظہار کرتا؟

و۔ تانگے میں بیٹھنے والے دو نئے بیرسٹروں کو منگو نے "تُوڈی بچے" کیوں کہا؟

ہ۔ ابھی کنواں کھودا نہیں گیا اور پیاس سے نڈھال ہو رہے ہو۔ اس جملے کا مفہوم لکھیے۔

۲۔ تمام طلبا باری باری اس افسانے کی عبارت کو درست تلفظ، لب و لہجے، اتار چڑھاؤ اور ضرورت کے مطابق تاثر کے ساتھ پڑھیں اور باری باری اس افسانے سے متعلق اشارات اور اہم نکات بیان کریں۔ آپ یہ اشارات اور اہم نکات سن کر ان کی فہم کا تجزیہ کریں۔

افسانہ "نیا قانون" کے مرکزی کردار "منگو کوچوان" کے مکالموں کو دو طالب علم مجازی (ادبی) اور اصطلاحی (علمی) محضر میں گفتگو کے انداز میں پیش کریں۔

۳۔ درج ذیل عبارت کو افسانے کے درمیان سے لیا گیا ہے۔ ایک طالب علم اسے درست تلفظ سے ادا کرے جب کہ باقی طلبہ باری باری سیاق (عبارت کے بعد) و سباق (عبارت سے قبل) کے ساتھ اسے بیان کریں۔

"خالی سڑک پر بڑی صفائی سے تانگا موڑ کر اس نے گھوڑے کو چابک دکھایا اور آنکھ جھپکنے میں وہ بجلی کے کھمبے کے پاس تھا۔
گھوڑے کی باگیں کھینچ کر اس نے تانگہ ٹھہرایا اور پچھلی نشست پر بیٹھے بیٹھے گورے سے پوچھا، "صاحب بہادر کہاں جانا مانگتا
ہے؟" اس سوال میں بلا کا طنزیہ انداز تھا، صاحب بہادر کہتے وقت اس کا اوپر کا مونچھوں بھرا ہونٹ نیچے کی طرف کھنچ گیا۔
اور پاس ہی گال کے اس طرف جو مدھم سی لکیر ناک کے نتھنے سے ٹھوڑی کے بالائی حصے تک چلی آ رہی تھی، ایک لرزش کے
ساتھ گہری ہو گئی، گویا کسی نے نوکیلے چاقو سے شیشم کی سانولی لکڑی میں دھاری ڈال دی ہے۔ اس کا سارا چہرہ ہنس رہا تھا، اور
اپنے اندر اس نے اس "گورے" کو سینے کی آگ میں جلا کر بھسم کر ڈالا تھا۔"

❖ افسانہ

لغت میں افسانہ ایک جھوٹی کہانی کو کہتے ہیں۔ ادبی اصطلاح میں یہ ایک ایسی کہانی ہوتی ہے جو زندگی کا ایک جزو پیش کرتی ہے۔ افسانہ: اختصار اور وحدت تاثر کی حامل بھی ایک کہانی ہوتی ہے۔ افسانہ یا مختصر افسانہ کم سے آدھے گھنٹے میں پڑھا جانے والا ایسا قصہ ہوتا ہے جس میں کسی ایک واقعے یا زندگی کے کسی ایک پہلو کو اختصار اور دلچسپی کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے۔ افسانے کے اجزائے ترکیبی میں: پلاٹ، کردار، نقطہ نظر یا مرکزی خیال، مکالمہ، آغاز و اختتام اور اسلوب بیان شامل ہیں۔

افسانہ "نیا قانون" آپ نے پڑھا، اس افسانے میں منٹو نے بڑی خوب صورتی سے اپنے عہد کے سیاسی منظر نامے اور عوامی جذبات کو موضوع بنایا ہے۔
استاد محترم/استانی صاحبہ کی رہنمائی میں اس افسانے کے اجزا اور ادبی محاسن کو شناخت کرنے کی مشق کریں۔
☜ انٹرنیٹ سے مختلف اداروں کی ویب سائٹس سے مختلف مقاصد کے لیے مرتب دفتری و عدالتی مواد (مختلف فارم، رجسٹری برائے کرایہ، تقرر نامے، ملازمت کی درخواست، نکاح نامہ، عرضی، عدالتی حکم نامے، ضمانتی مچلکے وغیرہ) ڈاؤن لوڈ کریں اور ان کے متن کو پڑھیں تاکہ مقصدِ تحریر کی اہمیت سے واقف ہو سکیں۔ نمونے کے طور پر ایک عدد درخواست برائے ملازمت اور ضمانتی مچلکہ دیا جا رہا ہے۔

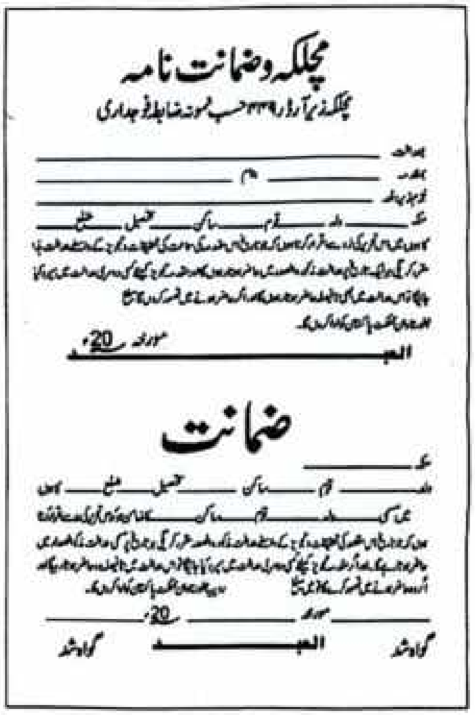

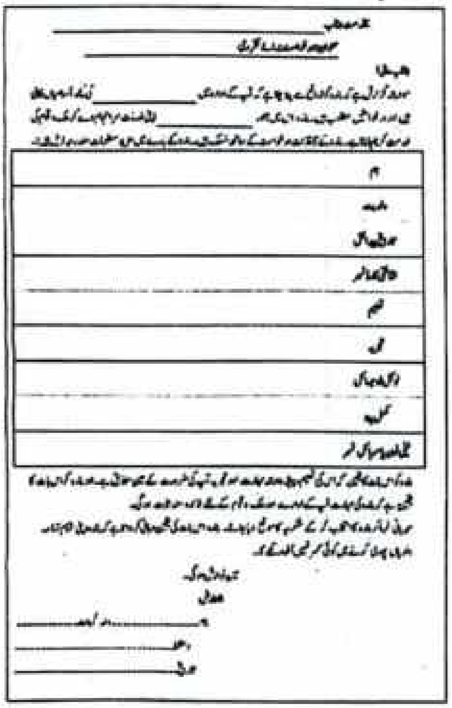

۵۔ افسانہ ''نیا قانون'' پڑھنے کے بعد سعادت حسن منٹو کا افسانہ ''تماشا'' بھی پڑھیں اور استادِ محترم/استانی صاحبہ کی رہ نمائی میں سعادت حسن منٹو کے طرزِ تحریر پر تبصرہ کریں۔

۶۔ افسانہ ''نیا قانون'' اور ''تماشا'' کے اجزا اور ادبی محاسن کی شناخت کرتے ہوئے دیگر طلبہ کے سامنے بیان کریں۔

۷۔ افسانہ ''تماشا'' اور نیا قانون'' کو پڑھ کر ان میں درج معلومات اور تصورات کی پیش کش پر تبصرہ کرتے ہوئے قارئین پر ان کے اثرات کا تجزیہ پیش کریں۔

۸۔ مترادف الفاظ

ایسے الفاظ جن کے معانی ایک جیسے ہوں، مترادف الفاظ کہلاتے ہیں: مثلاً: شب سے رات، آدمی سے انسان

❖ درج ذیل الفاظ میں سے باہم مترادف کی شناخت کریں اور اُن کے جملے تحریر کریں۔

بہادر خیال شجر آغاز آسان پرانا

سرگرمی

استاد محترم/استانی صاحبہ کی نگرانی اور رہ نمائی میں جماعت کے طلبہ اس افسانے کی ڈرامائی تشکیل کریں اور یومِ آزادی کی تقریب میں ڈرامے کے طور پر پیش کریں۔

ہدایات برائے اساتذہ کرام

- طلبہ کو مختلف اخلاقی، معاشی، معاشرتی اور ثقافتی امور کے متعلق آگاہ کریں۔
- طلبہ کو مختلف مباحثوں، سیمیناروں یا مذاکروں میں شرکت کے اصول و ضوابط اور آداب کی آگاہی دیں۔
- طلبہ کو کالم، خبر، رپورٹ، تبصرہ، تذکرہ اور تجزیہ کے تصور اور فرق سے آگاہ کریں تاکہ طلبہ کسی بھی رسمی یا غیر رسمی تحریر، دعوت نامے، تہنیت نامے کو تیار کر سکیں۔

امر جلیل (پیدائش ۱۹۳۶ء)

۳ تاریخ کا کفن

اس سبق کی تدریس کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

- نظم و نثر کو فہم کے ساتھ پڑھ کر مصنف / شاعر کی تکنیک، مقصد اور اسلوب پر مبنی سوالات کے جوابات دے سکیں۔
- اپنی گفتگو میں جذبے اور تاثر کے حوالے سے شدت اور لہجے کے زیر و بم کا لحاظ رکھ کر ڈرامائی کیفیات ادا کر سکیں۔
- افسانوی اور غیر افسانوی انتخاب پڑھ کر اس میں موجود معلومات اخذ کرتے ہوئے استعمال کر سکیں۔
- مختلف نثری اصناف ادب (کہانی، داستان، افسانہ، ڈراما اور ناول) پڑھ کر ان کے ادبی اسلوب میں امتیاز کر سکیں۔
- افسانوی و غیر افسانوی متن میں شامل مانوس غیر مانوس الفاظ و تراکیب، محاورات، ضرب الامثال، مترادفات اور مرکبات پر مشتمل فقرات سمجھ کر بر محل استعمال کر سکیں۔
- منتخب اقتباسات کی تلخیص نویسی کر سکیں۔
- مختلف ادبی شخصیات کی مرقع نگاری کر سکیں۔
- تراکیب لفظی کی شناخت کر سکیں اور اہمیت کو سمجھتے ہوئے اپنی تحریر میں استعمال کر سکیں۔

پڑھئیں

عید نماز شروع ہونے سے کچھ دیر پہلے ایک کالا کلوٹا شیدی، جس کے بال خشک، آنکھیں بنجر، بدن نحیف و نزار اور کپڑوں کے نام پر چیتھڑے پہنے ہوئے تھے؛ وہ نمازیوں کی آخری صف سے اُٹھ کھڑا ہوا۔ وہ ادھیڑ عمر کا طویل قامت شخص تھا۔ اس کے کندھے صلیب کی طرح سیدھے اور سینہ چوڑا تھا۔ اس کی پُشت زندگی کا بوجھ اُٹھاتے، برداشت کرتے کرتے کمان بن چکی تھی۔ اس نے لمبی سانس کھینچ کر ایک اڑتی نگاہ عیدگاہ پر ڈالی۔

پوری عیدگاہ کراچی کے بھانت بھانت کے لوگوں سے اَٹی پڑی تھی۔ قطاریں شمار سے باہر، نمازی بے انداز! کچھ کے کپڑوں کے جوڑے نئے، کچھ کے دُھلے ہوئے، کچھ کے اُجلے! رنگ اتنے سارے کہ جیسے آسمان سے رنگوں کی دھنک زمین پر اتر آئی ہو۔ عید نماز شروع ہونے میں چند لمحات باقی تھے۔ مُلّا بے حد عقیدت اور بڑے جوش و خروش کے ساتھ تاریخ اسلامی کے اوراق پلٹ رہا تھا۔ وہ کبھی بانہیں اوپر اٹھا کر تو کبھی نیچے کر کے، آواز کے زیر و بم کے ساتھ، کبھی سیدھے سُبھاؤ تو کبھی سُر میں بولتے ہوئے؛ لوگوں کے جذبہ ایمانی کو بیدار کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ لوگ مؤدب بیٹھے ہوئے تھے اور دورانِ وعظ کبھی کبھار اونگھ بھی لیتے تھے۔ ان کی نگاہیں اپنے اپنے مصلوں کے آگے رکھے جُوتوں پر تھیں۔ کچھ جُوتے نئے، کچھ پُرانے اور پھٹے ہوئے تھے۔ بُوٹوں، سلیپروں، سینڈلوں اور چپلوں کے تلوے تلووں سے ملے ہوئے تھے اور جائے سجدہ سے انچ بھر دور رکھے ہوئے تھے۔ جو نمازی اپنے ساتھ ذوالجناح کی طرح سجے سنورے بچے لے آئے تھے، ان کی ایک آنکھ جُوتوں میں تو ایک بچوں میں گڑی ہوئی تھی۔ صحت مند مُلّا، صحت مند آواز میں وعظ کر رہا تھا اور لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے رحم و کرم کی بجائے اللہ تعالیٰ کے قہر اور عذابِ قبر کی باتیں بتا بتا کر ڈرا رہا تھا۔ یوں لگ رہا تھا کہ جوشِ ایمانی میں لاؤڈ سپیکر پھاڑ ڈالے گا۔

"اَبے بیٹھ جا!" کنگال قسم کے ایک دبلے پتلے شخص نے شیدی کا بازو پکڑتے ہوئے کہا، "کھڑے کیوں ہو؟ بندریا بھاگ گئی ہے کیا؟"

شیدی نے اسے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ جھٹکا دے کر، بازو چھڑا کر پچھلی صف سے نکل کر اگلی صف میں کھڑا ہو گیا۔

"ابے! دور کر یہ اپنے توے ایسے پاؤں۔" شیدی کو کہنی مارتے ہوئے ایک چڑیا جیتنے نوجوان نے کہا، "آدمی ہو کہ تارکول "

شیدی نے اسے کوئی جواب نہیں دیا اور نہ ہی گردن موڑ کر اس کی طرف دیکھا۔ وہ اس قطار سے نکل کر اگلی میں کھڑا ہو گیا۔

"اوہو۔۔۔ بڑے احمق ہو تم بھی۔" اُجلے سفید کپڑوں والے ایک شخص نے غصہ میں شیدی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا، "شرم نہیں آئی میرے کورے پاجامے کے پائنچے پر پاؤں رکھتے ہوئے۔"

شیدی کی اداس آنکھوں میں پُراسرار روشنی اُ بھر آئی تھی۔ اس نے اس بپھرے ہوئے شخص کے جملے کو سُنا اَن سُنا کر دیا۔ وہ قدم بڑھا کر اگلی قطار میں جا کھڑا ہوا۔

"خبردار!" فرشتوں جیسے ایک شخص نے شیدی کی ٹانگ کی چٹکی کاٹتے ہوئے کہا، "لاحول ولا! میرا دو ہی کا مصلہ میلا کر دیا۔ آدمی ہو کہ ابن ابلیس! "

شیدی نے چٹکی کی پروا نہیں کی اور نہ ہی فرشتوں ایسے شخص کے جملہ کی۔ اس کی اداس آنکھوں میں پُراسرار روشنی بڑھتی چلی گئی۔ وہ قدم بڑھا کر اگلی قطار میں جا کر کھڑا ہو گیا۔

"ارے او بن مانس!" ایک نوجوان، جس نے بڑی محنت اور جانکاشی کے بعد اپنی چمکتی پیشانی پر بال سجا رکھے تھے، نے شیدی کو حقارت آمیز لہجہ میں کہا، "چڑیا گھر سے پنجرہ توڑ کر بھاگے ہو کیا؟"

قریب بیٹھے کچھ ایکٹر چھاپ نوجوانوں نے قہقہہ لگایا۔ ایک جینگے نوجوان نے اداکاروں ایسے لہجے میں کہا، "لگتا ہے کہ افریقہ سے ہجرت کر آیا ہے۔" ایکٹر چھاپ نوجوانوں کی ٹولی نے قہقہہ لگایا۔

ایک ادھیڑ عمر شخص، جو اونگھ رہا تھا، قہقہہ سن کر بیدار ہو گیا۔ اس نے گھٹنوں سے سر نکال کر نوجوانوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا، "اے لڑکو! تیس مار خانی مت دکھاؤ، وعظ سننے دو۔"

" چپ کر، ابابیل کے بچے!" ایک نوجون نے فی البدیہہ جواب دیا۔ وہ شخص اُترا ہوا چہرہ لے کر بیٹھ گیا۔

اس دوران شیدی وہ قطار چھوڑ کر اگلی قطار میں جا کھڑا ہوا۔

"ارے اِدھر آگے کہاں آ رہے ہو؟" چار پانچ آدمیوں نے اسے روک لیا۔ انھوں نے اس کے پھٹے پرانے کپڑوں اور ناتواں بدن کو دیکھ کر کہا، "یہاں شیرینی بٹ رہی ہے کیا؟"

شیدی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کی آنکھیں اگلی قطار پر گڑی ہوئی تھیں۔

"پیچھے جاؤ، اے توے کے بھائی! پیچھے جاؤ۔"

"دور ہٹو۔"

"بھاگ جاؤ۔"

"خبردار جو آگے آئے! "

شیدی نے انھیں جواب نہیں دیا نہ ہی گردن موڑ کر ان کی طرف دیکھا۔ پُراسرار روشنی واضح طور پر اس کی آنکھوں میں چمک رہی تھی۔ وہ آگے بڑھ گیا۔ وہ قدم اٹھاتا، چھلانگیں مارتا، نمازیوں کی دو چار قطاریں پھلانگ گیا۔

لوگوں میں کھلبلی مچ گئی۔ جو اونگھ رہے تھے وہ بیدار ہو کر بیٹھ گئے۔ جو بیدار تھے اور کانوں سے وعظ سن رہے تھے اور آنکھوں سے اپنے جوتوں اور بچوں کی نگہداشت کر رہے تھے، وہ شتر مرغ کی طرح گردنیں پھیر کر شیدی کی طرف دیکھنے لگے۔ انھوں نے جب شور سُنا تو جھپٹ کر اپنے اپنے جوتے اٹھا لیے اور

بچوں کو کھینچ کر گود میں بٹھالیا۔
کچھ پُر حشمت، بہادروں اور نڈروں نے شیدی کو قابو میں کر لیا۔
"پکڑنا۔"
"مت چھوڑنا۔"
"خوب مرمت کرنا۔"
شور و غل بڑھ گیا۔ مُلّا نے وعظ بند کر دیا اور منبر کے سب سے اونچے زینہ پر چڑھ کر تماشا دیکھنے لگا۔ تمام مخلوق کا دھیان شیدی کی طرف ہو گیا۔
کئی انواع کے لوگ، کئی اقسام کے لہجے، بھانت بھانت کی بولیاں۔۔۔ لیکن مفہوم سب کا ایک جیسا۔۔۔
"چور ہے۔"
"چور نہیں ہے، جیب کترا ہے، وحشی ہے۔"
"برابر، برابر۔"
"ضرور کسی مومن کی جیب خالی کر لی ہو گی۔"
"شکل سے ہی چور کا پُتر دکھائی پڑتا ہے۔"
"جُوتوں کا چور ہے۔"
"قابو کرنا۔"
"پکڑنا۔"
"بھاگنے مت دینا۔"
"جلدی کرنا۔"
"چور ہے۔"
"جیب کترا ہے۔"
"بدمعاش ہے۔"
"شُہدا ہے۔"
ایک شخص ہجوم سے راستہ بناتا، بلبلاتا، آگے بڑھ آیا۔ اس کے ہونٹ پتلے اور خشک، آنکھیں مچّھی اور بے رونق اور بال اُجڑے ہوئے تھے۔ اس نے لوگوں سے بلند آواز میں کہا، "میں اسے اچھی طرح جانتا ہوں۔ یہ چور نہیں نہ ہی جیب کترا اور نہ ہی لفنگا ہے۔ یہ صرف شیدی ہے۔"
جس نیک بندے کا ہاتھ شیدی کی گردن میں تھا، اس نے ایک نگاہ میں نووارد کا جائزہ لیتے ہوئے طنزیہ انداز میں پوچھا، "اور تم کون ہو؟"
اس نے جواب دیا، "میں ماموں خاں موچی ہوں۔"
"بھاگ جا، موچی! تو جا کر پھٹے پرانے جُوتوں کی مرمت کر۔" نیک صورت اور نیک سیرت شخص نے کہا، "ہم خود ہی اس کی خبر لیں گے۔"
ماموں خاں موچی دھکے ٹھڈے کھا کر منظر سے غائب ہو گیا۔
اور پھر بڑی دیر تک بلند آواز میں جملے ایک دوسرے سے اُلجھتے رہے۔۔۔
"مارو، مارو۔"

''ٹھکائی اچھی طرح کرو۔''

''پہلے اس کی تلاشی لو۔''

''نماز میں رخنہ مت ڈالو۔''

''درخت سے باندھ دو۔''

''نماز کے بعد منہ کالا کر کے، گدھے پر بٹھا کر اس کا جلوس نکالا جائے گا۔''

''ٹھیک ہے، یہ بہت بڑا اور اہم مسئلہ ہے۔''

''اس کے منہ پر کالک کی بجائے چُونے کی سفیدی پھیریں گے۔''

''ہرگز نہیں، چور کا منہ ہمیشہ کالا ہوتا ہے۔''

''اس مسئلے پر لوگوں سے ووٹ لیا جائے۔''

''ووٹ لینے کا وقت نہیں ہے۔''

لوگ آپس میں بحث مباحثہ کرنے لگے۔ وہ ایک دوسرے سے لڑنے مرنے کے لیے تیار ہو گئے۔ شور و غل بڑھ گیا۔ لوگ شیدی کے حشر کے متعلق کسی ایک فیصلے پر نہیں پہنچ سکے۔

پہلی قطار میں ملک کی نامی گرامی اور جانی پہچانی شخصیت، ہر دل عزیز، مشہور و معروف جناب محمود صاحب موجود تھے۔ لوگوں کو محمود صاحب کی حفاظت کی فکر لاحق ہو گئی۔ وہ محمود صاحب کے لیے پریشان ہونے لگے۔ ہجوم میں سے کسی نے بلند آواز، چیختے ہوئے کہا، ''کالا شیدی پہلی قطار کی طرف بڑھ رہا ہے۔ یہ بدبخت ضرور کسی دشمن ملک کا ایجنٹ ہے، اور محمود صاحب کو قتل کرنے کے لیے بھیجا گیا ہے۔''

اس نئے انکشاف پر لوگ حواس باختہ ہو گئے۔

اچانک شیدی نے چھلانگ لگائی۔ وہ چیتے کی طرح چھال مارتا، بڑے بڑے ڈگ بھرتا، لوگوں، مصلوں، جوتوں اور چپلوں کی کئی قطاریں پھلانگ گیا۔ پہلی صف میں محمود صاحب کے ساتھ شہر کے لائق افسران، صنعت کار، تاجر اور بینکر کندھے سے کندھا ملا کر بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ گردنیں جھکائے اور دوزانو بیٹھے ہوئے تھے اور اخباری فوٹو گرافروں سے تصاویر کھنچوا رہے تھے۔ پہلی صف کے عین عقب میں، محمود صاحب کی حفاظت کے لیے سادہ کپڑوں میں حفاظتی عملہ کے برجستہ اور طاقت ور ارکان بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ بہ ظاہر نماز پڑھنے اور اللہ کی عظمت کے سامنے سر بہ سجود ہونے آئے تھے، لیکن دراصل وہ محمود صاحب کی حفاظت کے لیے وہاں موجود تھے، اور نئی صورت حال کے باعث چوکس ہو رہے تھے۔ ان کے نیفوں میں خطرناک اسلحہ چھپا ہوا تھا، اس لیے وہ بیٹھنے میں دشواری محسوس کر رہے تھے۔

شیدی جب اچھلتا، چھلانگیں مارتا، دوسری صف پھلانگ کر پہلی صف کی طرف بڑھنے لگا، تب اسے حفاظتی عملے کے عقابوں نے جھپٹ کر قابو کر لیا۔ وہ پلک جھپکنے میں ہی اسے لاتیں، ٹھڈے، مکے اور گھونسے مارتے، عید گاہ سے باہر لے گئے۔ جیسے کچھ ہوا ہی نہیں تھا۔

لاؤڈ سپیکروں سے مُلا کی آواز گونجنے لگی۔ وہ دونوں ہاتھ عرش کی طرف اٹھا کر، عاجزی، انکساری کے ساتھ اور مترنم انداز میں اللہ تعالیٰ سے محمود صاحب کی درازی عمر کی دعا مانگنے لگا۔

لوگوں کا خیال بدل گیا۔ وہ شیدی کو بھول کر پہلے محمود صاحب کی طویل عمری کی دعائیں مانگنے اور پھر وعظ سننے لگے۔ انھوں نے اپنے نئے پرانے بوٹ اور چپل سجدہ گاہ سے انچ بھر کی دوری پر رکھے تھے۔

عید گاہ سے باہر ایک علیحدہ جگہ میں حفاظتی عملے کے ایک بڑے افسر نے بید کی چھڑی کے پے در پے وار کرتے ہوئے شیدی سے پوچھا، ''بتاؤ، جواب دو۔

تم کس نیت سے پہلی صف کی طرف بڑھ رہے تھے؟"
مکوں، گھونسوں اور تھپڑوں کے سبب شیدی کا پورا چہرہ خونم خون ہو گیا تھا۔ اس کا منہ خون سے بھرا ہوا تھا۔ وہ کوئی بھی جواب نہ دے سکا۔
"جواب دو۔" پھر لاتیں اور مکے، چہرے پر گھونسے اور پنڈلیوں پر لانگ بوٹوں کی ٹھوکریں لگیں، "جواب دو، کس کے ایجنٹ ہو؟ کس نیت سے آگے بڑھ رہے تھے؟"
شیدی کی ناک سے خون کے ریلے بہنے لگے۔ پیٹ اور کوکھ اور پسلیوں پر لاتیں پڑنے کے باعث اس کا جوڑ جوڑ اکھڑ گیا۔ اس کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا۔
"پہلی قطار کی طرف کیوں اور کس نیت سے بڑھ رہے تھے؟" عملدار نے اسے پیٹ پر لات اور گردن پر مکا مارتے ہوئے پوچھا، "جواب دو، کس ارادے سے پہلی صف کی طرف بڑھ رہے تھے؟"
شیدی نے خون کی کُلی کر کے، منہ کو پھٹی قمیض کے بازو سے پونچھ لیا۔ اس کے کٹے پھٹے ہونٹ کانپنے لگے۔ اس نے کمزور آواز میں کہا، "میں پہلی صف میں کھڑا ہو کر نماز پڑھوں گا۔"
حفاظتی عملے کے چاق و چوبند جوان شیدی کا جواب سن کر کچھ کچھ پریشان ہو گئے۔ پھر، اس کے خراب حال اور سادہ شکل و صورت دیکھ کر "کڑکڑ" قہقہے لگانے لگے۔ کسی نے کہا، "ارے! تم پہلی قطار میں کھڑے ہو کر نماز پڑھو گے؟"
ان میں سے ایک نے زوردار مکا شیدی کی پیشانی پر ناک کے قریب جمایا اور کہا، "تم جھوٹ بولتے ہو۔"
پورا ماحول شیدی کی نگاہوں کے سامنے زیر و زبر ہونے لگا۔ اس کی سانس سینہ میں دھڑکنے کی بجائے تڑپنے لگی۔ سانس بند ہونے لگی۔ ناک، منہ اور کانوں سے خون رستا، بہتا رہا۔ اس نے شکستہ لہجہ میں کہا، "میں پہلی قطار میں کھڑا ہو کر نماز پڑھوں گا۔"
حفاظتی عملے کے ایک تنومند نوجوان نے شیدی کے سینے پر گھونسے کا بھرپور وار کیا اور پھر اسے گالی دیتے ہوئے کہا، "ڈرامہ کرتے ہو، سُور کے بچے! ہم تمھیں پہچان گئے ہیں۔ تم غیر ملکی ایجنٹ ہو۔"
شیدی مکا کھا کر پیچھے ہٹ گیا، جا کر دیوار سے لگا۔
"بتاؤ!" پھر لاٹھیاں برسنے لگیں، "بتاؤ، کس کے ایجنٹ ہو؟"
"میں ایجنٹ نہیں ہوں۔" شیدی بجھنے لگا، اس نے ٹوٹتے بکھرتے ہوئے کہا، "میں پہلی صف میں کھڑا ہو کر نماز پڑھوں گا۔"
"ابے لنگور!" ایک موٹے تگڑے اہلکار نے اسے تھپڑ مارتے ہوئے کہا، "زندگی بھر کبھی آئینہ دیکھا ہے! چلا ہے پُتر پہلی قطار میں نماز پڑھنے!"
شیدی کی سانسوں کا سلسلہ اس کی ناک سے بہتے خون کے سبب ٹوٹنے لگا۔ اس نے کہا، "میں پہلی قطار میں کھڑا ہو کر نماز پڑھوں گا۔"
"ابے اونٹ کے بچے!" موٹے تگڑے عملدار نے کہا، "شہر کے معزز لوگ محمود صاحب کے ساتھ نماز پڑھنے کے لیے پہلی صف میں موجود ہیں۔ تم پہلی میں صف کیسے نماز پڑھو گے؟"
شیدی نے نحیف آواز میں کہا، "میں بھی پہلی صف میں محمود صاحب کے ساتھ کھڑا ہو کر نماز پڑھوں گا۔"
حفاظتی عملے کے تنخواہداروں نے خوب قہقہے لگائے۔ ایک نے کہا، "اس کا دماغ ٹھکانے نہیں ہے۔"
"بہروپیا ہے۔" بڑے افسر نے اپنے عملے کو حکم دیتے ہوئے کہا، "اس سے پوچھو کہ یہ کون ہے اور محمود صاحب کے ساتھ کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کا ڈھونگ کیوں کر رہا ہے؟"

پھر جو درگت بنانا ان کے حافظہ میں محفوظ تھا، وہ درگت انھوں نے شیدی کی بنائی۔ لاتیں، مکے اور گھونسے مار مار کر اسے ادھ موا کر دیا۔ شیدی فرش گزیں ہو گیا۔ انھوں نے اسے پھر اٹھا کر کھڑا کر دیا۔ اس کے منہ پر پانی کے چھینٹے مار کر اسے ہوش میں لے آئے۔ شیدی نے خون آلود آنکھیں کھول کر حفاظتی عملے کی طرف دیکھا۔

چاق و چوبند افسر نے اس کے بالوں کو مٹھی میں پکڑتے ہوئے کہا، ''بتاؤ، تم کون ہو؟ محمود صاحب کے ساتھ کھڑے ہو کر نماز کیوں پڑھنا چاہتے ہو؟'' شیدی بجھنے لگا۔ ایک لمحے کے لیے اس کی آنکھوں میں پُراسرار روشنی لوٹ آئی۔ اس نے ٹوٹے پھوٹے لہجے میں کہا، ''میں ایاز ہوں۔ میں ایک ہی صف میں کھڑا ہو کر محمود کے ساتھ نماز پڑھوں گا۔''

(تاریخ کا کفن)

امر جلیل (پیدائش ۱۹۳۶ء)

اصل نام قاضی عبدالجلیل ہے۔ صوبہ سندھ کے شہر روہڑی میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کراچی اور پھر نواب شاہ سے بی اے کا امتحان پاس کرنے کے بعد جامعہ کراچی سے اقتصادیات اور تاریخ کے مضامین میں ایم اے کیا۔ سندھی اور اردو زبان میں کہانیاں، مضامین، کالم اور ڈرامے لکھ کر شہرت حاصل کی۔ سٹیج کے علاوہ ریڈیو اور ٹیلی وژن کے لیے بھی ڈرامے تحریر کیے۔ ریڈیو پاکستان کراچی اور علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد، سندھی لینگویج اتھارٹی میں اعلیٰ عہدوں پر خدمات سرانجام دیں۔

امر جلیل نے اپنی کہانیوں میں معاشرتی خامیوں کی نشان دہی اور اصلاح کی ذمہ داری سرانجام دی۔ امر جلیل نے سندھی میں سینکڑوں مختصر کہانیاں تحریر کی ہیں۔ آپ کی ادبی خدمات کے صلے میں آپ کو تمغائے حُسن کارکردگی سے بھی نوازا گیا۔ امر جلیل کی تاریخ کا کفن سمیت درجن کے قریب، تصانیف زیورِ طبع سے آراستہ ہو کر عوام و خواص کے علمی ادبی حلقوں سے داد و تحسین وصول کر چکی ہیں۔

مشق

۱۔ مصنف کی تکنیک، مقصد اور اسلوب پر مبنی درج ذیل سوالات کے جواب دیں۔

الف۔ امر جلیل کی ابتدائی تعلیم کے متعلق آپ کیا جانتے ہیں؟

ب۔ امر جلیل کی تخلیقات کے عمومی موضوعات کیا ہیں؟

ج۔ شیدی پہلی صف میں جانے کی کوشش کیوں کر رہا تھا؟

د۔ اس جملے کی وضاحت کریں: ''میں ایاز ہوں، میں ایک ہی صف میں کھڑا ہو کر محمود کے ساتھ نماز پڑھوں گا۔''

د۔ آپ کیا سمجھتے ہیں کہ شیدی کی جگہ اگر کوئی امیر کبیر شخص نماز کی صفوں کو چیرتا آگے بڑھ رہا ہوتا تو عوام کا ردِ عمل ایسا ہی ہوتا۔

ہ۔ ماموں خان موچی نے کس حقیقت سے پردہ اٹھایا؟

❖ پہلی قطار میں ملک کی نامی گرامی اور جانی پہچانی شخصیت، ہر دل عزیز، مشہور و معروف جناب محمود صاحب موجود تھے۔ لوگوں کو محمود صاحب کی حفاظت کی فکر لاحق ہو گئی۔ وہ محمود صاحب کے لیے پریشان ہونے لگے۔ ہجوم میں سے کسی نے بلند آواز، چیختے ہوئے کہا، ''کالا شیدی پہلی قطار کی طرف بڑھ رہا ہے۔ یہ بدبخت ضرور کسی دشمن ملک کا ایجنٹ ہے اور محمود صاحب کو قتل کرنے کے لیے بھیجا گیا ہے۔'' اس نئے انکشاف پر لوگ حواس باختہ ہو گئے۔ اچانک شیدی نے چھلانگ لگائی۔ وہ چیتے کی طرح چھال مارتا، بڑے بڑے ڈگ بھرتا، لوگوں، مصلوں، جوتوں اور چپلوں کی کئی قطاریں پھلانگ گیا۔ پہلی صف میں محمود کے ساتھ شہر کے لائق افسران، صنعت کار، تاجر اور بینکر کندھے سے کندھا ملا کر بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ گردنیں جھکائے اور دو زانو بیٹھے ہوئے تھے اور اخباری فوٹو گرافروں سے تصاویر کھنچوا رہے تھے۔ پہلی صف کے عین عقب میں، محمود صاحب کی حفاظت کے لیے سادہ کپڑوں میں حفاظتی عملے کے برجستہ اور طاقت ور ارکان بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ بہ ظاہر نماز پڑھنے اور اللہ کی عظمت کے سامنے سربہ سجود ہونے

آئے تھے، لیکن دراصل وہ محمود صاحب کی حفاظت کے لیے وہاں موجود تھے اور نئی صورت حال کے باعث چوکس ہو رہے تھے۔ ان کے نیفوں میں خطرناک اسلحہ چھپا ہوا تھا، اس لیے وہ بیٹھنے میں دشواری محسوس کر رہے تھے۔

۲۔ سبق کا درج بالا حصہ سُن کر اپنے حافظے سے تسلسل کے ساتھ افسانے کی پوری کہانی کے اہم نکات بتائیں۔

۳۔ درج ذیل اقتباس کو اس انداز سے ادا کریں کہ جذبے اور تاثر کے حوالے سے شدت اور لہجے کے زیر و بم کا لحاظ رکھتے ہوئے ڈرامائی کیفیات ادا ہو سکیں۔

اور پھر بڑی دیر تک بلند آواز میں جملے ایک دوسرے سے اُلجھتے رہے۔۔۔

"مارو، مارو۔"

"ٹھکائی اچھی طرح کرو۔"

"پہلے اس کی تلاشی لو۔"

"نماز میں رخنہ مت ڈالو۔"

"درخت سے باندھ دو۔"

"نماز کے بعد منہ کالا کر کے، گدھے پر بٹھا کر اس کا جلوس نکالا جائے گا۔"

"ٹھیک ہے، یہ بہت بڑا اور اہم مسئلہ ہے۔"

"اس کے منہ پر کالک کی بجائے چونے کی سفیدی پھیریں گے۔"

"ہر گز نہیں، چور کا منہ ہمیشہ کالا ہوتا ہے۔"

"اس مسئلے پر لوگوں سے ووٹ لیا جائے۔"

"ووٹ لینے کا وقت نہیں ہے۔"

۴۔ امر جلیل کے افسانوں کی کتاب 'تاریخ کا کفن' کے تمام افسانوں کا مطالعہ کریں بالخصوص افسانے 'تاریخ کا کفن' کو غور سے پڑھیں اور اس کے فہم کا اظہار کرتے ہوئے ذاتی اور معاشرتی زندگی سے تعلق قائم کریں کہ اگر ہمیں اس طرح کی صورت حال درپیش آجائے تو ہمارا ردِ عمل کیا ہوگا؟ نیز اس افسانے کو پڑھتے ہوئے امر جلیل کے ادبی اسلوب اور اس کے امتیاز کا فہم حاصل کریں اور اسے دیگر ساتھی طلبہ کے سامنے بیان کریں۔

۵۔ افسانہ "تاریخ کا کفن" آپ نے پڑھا۔ اس میں موجود مندرجہ ذیل معلومات اخذ کر کے، انھیں اپنے الفاظ میں لکھیں۔

الف۔ لوگوں کے جمع ہونے کی وجہ

ب۔ لوگوں کے لباس کے مختلف رنگ

ج۔ شیدی کے حوالے سے ایکسٹرا چھاپ، نوجوانوں، ادھیر عمر شخص۔

د۔ ماموں خان موچی اور حفاظتی عملے کا ردِ عمل

ہ۔ نمازیوں کا جائے نماز کے قریب جوتے رکھنے کی وجہ۔

۶۔ افسانہ "تاریخ کا کفن"، نیا قانون اور سیرت نگاری پر مشتمل سبق "اخلاقِ حسنہ" میں مصنفین نے عوامی رنگ کے بہت سے مانوس و نامانوس الفاظ و

تراکیب، محاورات، ضرب الامثال، مترادفات اور مرکبات استعمال کیے ہیں۔ درج ذیل الفاظ و تراکیب، محاورات اور مرکبات کو استاد محترم/استانی صاحبہ سے انھیں سمجھنے کی اور بر محل استعمال کرنے کی کوشش کریں:

خدمت اقدس، استہزا، ردائے مبارک، ظلم ڈھانا، ناک میں دم کرنا، ایک دھپے کی مار ہونا، ہت تیری ایسی تیسی، ٹوڈی بچہ، اکڑفوں، اڑتی نگاہ ڈالنا، بھانت بھانت کے، چٹکی کاٹنا، ایکٹر چھاپ نوجوانوں کی ٹولی، بدشنی، لفنگا، فرش گزیں ہونا

۷۔ امر جلیل کا افسانہ "تمارے کا کفن" کے اجزا اور ادبی محاسن کی شناخت کریں۔

❖ تلخیص نگاری

تلخیص: تلخیص کا مطلب کسی طویل عبارت کو اختصار کے ساتھ اس طرح لکھنا کہ اس کا کوئی اہم نکتہ چھوٹنے نہ پائے۔ تلخیص کی طوالت، عام طور پر اصل عبارت سے کم یعنی ایک تہائی ہوتی ہے۔ تلخیص میں اصل عبارت کے اسلوب کو قائم رکھنا غیر ضروری ہوتا ہے، اسے اپنے انداز سے اور الفاظ میں لکھنا چاہیے۔ اصل عبارت میں دی گئی معلومات اور واقعات کی ترتیب بھی برقرار رکھنی چاہیے۔ تلخیص کے دوران اصل عبارت کے اہم نکات میں ترمیم، اضافہ، کمی یا بیشی نہیں کی جاسکتی۔ اگر عبارت متعدد پیراگرافوں پر مشتمل ہو تو تلخیص ایک ہی پیرے میں لکھی جائے گی۔ تلخیص میں طویل جملوں کی بجائے مختصر جملے لکھے جاتے ہیں۔

۸۔ درج ذیل عبارت کی تلخیص کریں۔

ایشیا کی تمام قومیں یہی سمجھتی رہی ہیں کہ اچھا بادشاہ ہی رعایا کی ترقی اور خوشی کا ذریعہ ہوتا ہے۔ یورپ کے لوگ جو ایشیا کے لوگوں سے زیادہ ترقی کر گئے تھے یہ سمجھتے تھے کہ ایک عمدہ انتظام قوم کی عزت، بھلائی و خوشی اور ترقی کا ذریعہ ہے خواہ وہ انتظام باہمی قوم کے رسم و رواج کا ہو یا گورنمنٹ کا اور یہی سبب ہے کہ یورپ کے لوگ قانون بنانے والی مجلسوں کو بہت بڑا ذریعہ انسان کی ترقی و بہبودی کا خیال کرتے، اُن کا درجہ سب سے اعلیٰ اور نہایت بیش بہا سمجھتے تھے مگر حقیقت میں یہ سب خیال غلط ہیں۔

۹۔ تراکیب لفظی

ترکیب لفظی کے معانی ہیں الفاظ کی ساخت، وضع یا بناوٹ، جملے کے اجزائے ترکیبی کا تجزیہ یعنی جملے کے ہر لفظ کی قواعدی حیثیت کا تعین کرنا بھی ترکیبِ لفظی کہلاتا ہے۔

تراکیبِ لفظی بنانے کی مختلف صورتیں ہیں

دو مفرد لفظوں کے درمیان زیر یا ہمزہ ڈال کر ایک نئی لفظی ترکیب بنانا جس کے معانی نئے ہوں۔

صبح اور بہار سے صبحِ بہار

قبر اور دارا سے قبرِ دارا

تراکیب صرف عربی اور فارسی الفاظ ہی سے بنتی ہیں، ہندی اور دیگر مقامی زبانوں سے لفظی ترکیب سازی ممکن نہیں ہوسکتی۔ ڑ، ٹ، ڈ اپنی اصل میں ہندی حروف ہیں۔ اسی طرح بھ، پھ، کھ، ٹھ وغیرہ بھی ہندی الاصل ہیں۔ لفظوں کا مآخذ لغات میں درج ہوتا ہے۔ اس اصول کے تحت "دھیانِ الفت" ایک غلط ترکیب لفظی ہوگی۔ دو سے زائد الفاظ ملا کر بھی تراکیب بنائی جاسکتی ہیں:

مثلاً: مرزا غالب کا شعر ہے:

نقش فریادی ہے کس کی شوخیِ تحریر کا
کاغذی ہے پیرہن ہر پیکرِ تصویر کا

اگر ترکیب لفظی میں دونوں الفاظ عربی زبان کے ہوں تو دونوں کے درمیان "ال" آئے گا۔ مثلاً: رب العالمین، سیرت النبی، ختم الرسل

ہندی اور دیگر مقامی میں الفاظ ساتھ تحریر ہوتے ہیں جیسے ۔تاریک رات، اندھیری کوٹھی، کالی آنکھیں، کڑوا پھل، آنکھ مچولی

تراکیب لفظی کے حوالے سے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ہر پندرہ بیس سال کے بعد لغت، از کار رفتہ ہو جاتی ہے۔ لفظ معانی بدل لیتے ہیں۔ نئے الفاظ، محاورات اور اصطلاحات آجاتی ہیں۔

❖ درج بالا اصولوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے دس تراکیب لفظی لکھ کر انھیں اپنے جملوں میں استعمال کریں۔

۱۰۔ مختلف نثری اصنافِ ادب:

i۔ افسانہ:

لغت میں افسانہ ایک جھوٹی کہانی کو کہتے ہیں ادبی اصطلاح میں یہ ایک ایسی کہانی ہے جو زندگی کا ایک جزو پیش کرتی ہے۔ افسانہ اختصار اور وحدت تاثر کی حامل ایک کہانی ہوتی ہے۔ افسانہ یا مختصر افسانہ کم سے کم آدھے گھنٹے میں پڑھا جانے والا ایسا قصہ ہوتا ہے جس میں کسی ایک واقعے یا زندگی کے کسی ایک پہلو کو اختصار اور دلچسپی کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے۔

افسانہ کے اجزائے ترکیبی: پلاٹ، کردار، نقطہ نظر یا مرکزی خیال، مکالمہ، آغاز و اختتام، اسلوب بیان

ii۔ ناول

ناول سے مراد سادہ زبان میں ایسی طویل کہانی ہے جس میں انسانی زندگی کے معمولی واقعات اور روزانہ پیش آنے والے معاملات کو اس انداز میں بیان کیا جائے کہ پڑھنے والے کو اس میں دلچسپی پیدا ہو۔ یہ دلچسپی پلاٹ، منظر نگاری، کردار نگاری اور مکالمہ نگاری سے پیدا کی جاتی ہے۔ ناول اس نثری قصے کو کہتے ہیں جس میں کسی خاص نقطہء نظر کے تحت زندگی کی حقیقی اور واقعاتی عکاسی کی گئی ہو۔ ناول کا مرکزی کردار اس کا ہیرو ہوتا ہے۔ واقعات میں ایک تسلسل موجود ہوتا ہے۔ حقیقت نگاری اور صداقت بیانی اس کا خاصہ ہے۔ اس کا موضوع انسانی زندگی ہوتا ہے۔ یعنی انسانی زندگی کے حالات و واقعات اور معاملات کو انتہائی گہرے اور مکمل مشاہدے کے بعد کہانی کی شکل میں پیش کیا جاتا ہے۔

ناول کے اجزا: ۱۔ کہانی، ۲۔ پلاٹ، ۳۔ کردار، ۴۔ مکالمے

iii۔ ڈراما

ڈراما یونانی زبان کے لفظ ڈراؤ سے مشتق ہے۔ جس کے معنی عمل کر کے دکھانا۔ ڈرامے کی ابتدا بھی یونان سے ہوئی۔ برصغیر میں بھی قدیم زمانوں سے ڈرامے کا سراغ ملتا ہے۔ راجہ بکرماجیت کے عہد کا لکھا ہوا ڈرامہ شکنتلا دنیا بھر میں بڑی شہرت رکھتا ہے۔ قدیم زمانے میں لوگ اپنے دیوتاؤں کو خوش کرنے کے لیے ڈراما کھیلا کرتے تھے۔ مگر بعد میں ترقی کر کے فن کی منزل تک پہنچ گیا۔ ڈرامے کی دو مشہور اقسام ہیں۔

ا۔ طربیہ ڈراما: وہ ڈراما جس میں ہنسی اور مزاح کے ذریعے سماج کی کمزوریوں سے پردہ اٹھایا جائے۔

المیہ ڈراما: وہ ڈراما جس میں پیش آنے والے واقعات اندوہناک ہوں اور اس کا انجام المیہ ہو۔

ڈرامے کے اجزائے ترکیبی: پلاٹ، کردار نگاری، ارتقائی عمل، کشمکش، مکالمے، اسٹیج، حرکات و سکنات، اختتامی عمل

iv۔ خاکہ یا مرقع نگاری:

اس غیر افسانوی صنف میں کسی شخص کی شخصیت اور زندگی کے حقیقی خدوخال اور پہلوؤں کو اس طرح نمایاں کر کے تحریر کیا جاتا ہے کہ ایک دلچسپ انداز میں ایک جیتی جاگتی شخصیت کے افکار و خیالات، خوبیوں اور خامیوں کی تصویر کشی ہو جائے۔ خاکہ نگار اپنی تحریر کو پُراثر بنانے کے لیے حقائق، واقعات اور مشاہدات کے ساتھ ساتھ ذاتی تاثرات بھی شامل کر لیتا ہے۔ اردو ادب میں مرزا فرحت اللہ بیگ، رشید احمد صدیقی، مولوی عبدالحق، شاہد احمد دہلوی، محمد طفیل، چراغ حسن حسرت اور دیگر نے خاکہ نگاری کی صنف میں نمایاں کام کیا ہے۔

کسی فرد کی شخصی خوبیوں کو دل چسپ اور ادبی پیرائے میں اس طرح بیان کرنا کہ قاری اس شخصیت کا مجموعی تاثر قبول کرے اور اس کے بارے میں رائے دینے کے قابل ہو جائے۔ مرقع نگاری کہلاتا ہے۔ شخصی خاکہ بھی اسی سے ملتی جلتی صنف ہے تاہم اُس میں تفصیلات بیان ہوتی ہیں۔

- **فرحت اللہ بیگ کا لکھا ہوا شخصی خاکہ "ایک وصیت کی تعمیل" پڑھیں اور مولوی وحید الدین سلیم کی ادبی شخصیت کی مرقع نگاری کرتے کے لیے درج ذیل نکات کو پیشِ نظر رکھیں۔**

ا۔ مولوی صاحب کا باتونی پن۔

۲۔ مولوی صاحب کی کنجوسی

۳۔ مولوی صاحب کا دیکھ کر تقریر کرنے کا انداز

۴۔ اردو زبان کی اصطلاحات سازی

سرگرمی

ا۔ افسانہ "منارچہ کا کفن" کی ڈرامائی تشکیل کر کے اسے کالج ہال میں پیش کریں۔

ہدایات برائے اساتذہ کرام

- سبق خوانی سے قبل بچوں کو اردو میں افسانہ نگاری کی روایت سے اس طرح آگاہ کریں کہ امر جلیل کی افسانہ نگاری کے موضوعات اور پہلوؤں پر بھی روشنی پڑ جائے۔

امجد اسلام امجد (۱۹۴۴ء۔۲۰۲۳ء)

۴ دہلیز

اس سبق کی تدریس کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

- عبارت کو درست تلفظ، لب و لہجہ، اتار چڑھاؤ اور ضرورت کے مطابق تاثر کے ساتھ پڑھ سکیں۔
- کسی ڈرامے کو پڑھتے ہوئے اس میں موجود مکالمے کی ترتیب و پیش کش کو سمجھتے ہوئے ڈرامے پر اس کے اثر کا تجزیہ کر سکیں۔
- کہانی / مضمون / سفر نامے / افسانے، ڈرامے کے اجزا اور ادبی محاسن کو شناخت کر سکیں۔
- ڈیجیٹل لائبریری / لائبریری کی درجہ بندی اور فہرست کی ترتیب کو سمجھتے ہوئے اس کا استعمال کر سکیں۔
- ہدایات و اشارات کے مطابق کسی نادیدہ اقتباس (منظوم و منثور) کی تفہیم / تنقید و تجزیہ / تبصرہ کر سکیں۔
- متشابہات کو نظم / نثر کے ربط و تسلسل اور تاثر سے شناخت کرتے ہوئے اس کا برمحل استعمال کر سکیں۔
- سابقوں اور لاحقوں کا تحریر میں استعمال کر سکیں۔

شاملِ نصاب ڈرامے کے کردار

رحمان: احمد علی کے پلازے کا نقشہ فائنل کرنے والا

احمد علی: ایک کاروباری شخص جو ایک نئے پلازہ کی تعمیر کر رہا ہے

عابد: احمد علی کا بیٹا، جو ہر جائز ناجائز طریقے سے اپنے رشتے کے چچا فقیر علی کا مکان خالی کرانے کا خواہش مند

فقیر حسین: احمد علی کا رشتے کا بھائی، جس نے ساری زندگی قناعت اور خودداری میں گزاری اور کسی ناجائز بات پر سمجھوتہ نہیں کرتا۔

سعیدہ: فقیر حسین کی بیٹی۔

اختر: فورتھ ایئر کا طالب علم لیکن وسائل نہ ہونے کے باعث، کالج جانا چھوڑ دیتا ہے۔

(احمد علی شہر میں ایک نئے پلازے کی تعمیر کا منصوبہ بنا رہا ہے۔ رحمان اسے پلازے کے متعلق بریفنگ دینے آتا ہے۔ دورانِ گفتگو یہ بات سامنے آتی ہے کہ اگر پلازے سے ملحق مکان کی پانچ سو گز زمین میسر آجائے تو ایک عدد سنیما گراؤنڈ فلور پر تعمیر ہو جائے گا۔ اتفاق سے مطلوبہ زمین پر بنا مکان احمد علی کے قریبی عزیز فقیر حسین کا ہوتا ہے۔ احمد علی اپنے اس رشتے کے بھائی کے مزاج سے واقف ہے اس لیے معاملے کو صلح جوئی سے حل کرنے کی غرض سے برسوں بعد فقیر حسین کے گھر جاتا ہے جہاں اسے پتا چلتا ہے کہ فقیر حسین کا بیٹا مالی تنگ دستی کی وجہ سے پڑھائی چھوڑ چکا ہے۔ فقیر حسین اور اس کے اہلِ خانہ کو کھانے کی دعوت دے کر احمد علی گھر لوٹ آتا ہے۔ اس دوران احمد علی کا بیٹا عابد اپنی تمام تر ہٹ دھرمی، زور زبردستی سے مکان لینے پر ضد کرتا ہے۔ احمد علی اشاروں کنایوں میں فقیر حسین کو مکان بیچنے کا کہتا ہے اور بدلے میں شہر میں کسی بہتر جگہ پر رہائش کا بندوبست کرنے کی پیش کش کرتا ہے لیکن فقیر حسین کسی طور رضامند نہیں ہوتا۔)

رحمان: (ایک مقام پر انگلی رکھتے ہوئے) یہ دیکھیے یہ PASSAGE میں نے اس طرح رکھا ہے کہ ہر بلاک کا COVERED LAND بھی متاثر نہ ہو اور ہمیں ہر فلور پر ایک سو گاڑیوں کی پارکنگ بھی مل جائے۔

احمد: گڈ

احمد علی سمجھنے کے انداز میں سر ہلاتا ہے۔

یہ انٹرنس ہے۔ یہاں سے اندر کی طرف تین ٹرن ہیں اور ہر ٹرن کے ساتھ پارکنگ ہے۔ اسی طرح تین ٹرن باہر کی طرف ہیں جو EXIT کے PASSAGE میں کھلتے ہیں۔ یوں سمجھیے کہ یہ ایک طرح سے ون وے ٹریفک سسٹم بن جائے گا۔

احمد: گڈ!!

ایک جگہ انگلی رکھتے ہوئے

اچھا یہ کیفے ٹیریاز اب یہاں آ گئے ہیں---- یہ بہتر ہے---- اب فاصلہ ہر طرف سے کم ہو گیا ہے

------ یہ سنیما کے لیے جگہ کچھ کم نہیں؟

رحمان: اس کے لیے میں نے بہت کوشش کی ہے احمد صاحب۔ سیکنڈ فلور پر اس سے زیادہ کی گنجائش ممکن نہیں اور یوں بھی میرے خیال میں سنیما گراؤنڈ فلور پر ہی ہونا چاہیے۔

احمد: تمھارا کیا خیال ہے عابد۔

عابد: رحمان صاحب ٹھیک کہہ رہے ہیں ڈیڈی۔۔۔۔ ایک تو ہماری پبلک ابھی اس طرح کے سینما کی عادی نہیں ہے۔ اور پھر سیکنڈ فلور پر سینما ہال بنانے سے پورے فلور کی مارکیٹ متاثر ہو گی۔

احمد: لیکن گراؤنڈ فلور پر سنیما کے لیے جگہ کیسے نکل سکتی ہے اصل FARNING تو یہیں سے ہوتی ہے۔

رحمان: (نقشے کے کنارے پر انگلی رکھتے ہوئے) یہاں اگر مجھے پانچ سو گز زمین بھی مل جائے تو میں آپ کو سینما ہال گراؤنڈ فلور پر دے سکتا ہوں بغیر کسی چیز کو DISTURB کیے۔

احمد: (اشتیاق سے اسے دیکھتے ہوئے) کیسے؟

رحمان: یہ دیکھیے یہاں ہم نے پارکنگ کے لیے یہ بلاک چھوڑا ہے۔ اس کے ساتھ اگر یہ ٹکڑا اور مل جائے تو---- میرا خیال ہے کہ کام بن جائے گا۔

احمد: یہ گودام کا ایریا ہے نا------

رحمان: جی۔

احمد: اس کے ساتھ تو فقیر حسین کا مکان ہے۔

عابد: تو کیا ہوا؟ ان سے خالی کرا لیں گے۔

احمد: خالی: ہاں مگر ----وہ ذرا خر دماغ قسم کا آدمی ہے۔

عابد: خر دماغ کو ہینڈل کرنا مجھے خوب آتا ہے۔ آپ ان سے بات کریں اگر آرام سے مان جائے تو ٹھیک ہے ورنہ۔

رحمان اس کی طرف حیرت سے دیکھتا ہے۔

عابد بات کا انداز بدلتا ہے۔

میرا مطلب ہے اگر وہ عزیز رشتہ دار ہو کر ہمارا لحاظ نہیں کرتے تو ہمیں بھی حق ہے کہ ------

رحمان: دیکھیے جناب اگر آپ Litigation کے چکر میں پڑ گئے تو بات لمبی ہو جائے گی۔

عابد: یہ جن کا مکان ہے ہمارے رشتے کے چچا ہوتے ہیں۔ان شا اللہ ہم کورٹ وغیرہ کے چکر میں پڑے بغیر ان سے معاملہ Settle کر لیں گے۔ کیوں ڈیڈ؟؟؟

احمد: وہ تو ٹھیک ہے لیکن میں پھر عرض کروں گا کہ کورٹ وغیرہ کے چکر میں نہ پڑیے گا۔ زمین سے بے دخلی کے مقدمات برسوں تک چلتے رہتے ہیں۔

احمد: جی ہاں اس کا اندازہ ہے مجھے۔

رحمان: (نقشے وغیرہ سمیٹ کر بریف کیس اٹھاتا ہے) اچھا خدا حافظ۔

احمد: (دروازے تک ساتھ جاتے ہوئے) خدا حافظ۔

رحمان جاتا ہے۔ احمد، عابد کی طرف مڑتا ہے، قریب آتا ہے۔

تمھیں رحمان کے سامنے یہ بات نہیں کرنی چاہیے تھی۔

عابد: سوری ڈیڈی۔ دراصل-----لیکن ایک بات طے ہے کہ چچا فقیر حسین کو وہ جگہ چھوڑنی ہوگی ہم انھیں اس کے بدلے میں------

احمد: تم فقیر حسین کو نہیں جانتے بیٹا۔ وہ بہت عجیب قسم کا آدمی ہے۔ اب دیکھو ساری عمر اس نے پوسٹ ماسٹری اور غربت میں گزار دی ہے لیکن آج تک کسی کے آگے ہاتھ نہیں پھیلایا۔ میرے پاس بھی کبھی نہیں آیا۔ ایسے آدمی بہت مشکل ہوتے ہیں۔

عابد: آپ انھیں خواہ مخواہ اتنا Over Estimate کر رہے ہیں۔

احمد: تم تو اکثر گودام کی طرف جاتے ہو، کبھی ملے ہو اس سے۔

عابد: (نفی میں سر ہلاتے ہوئے) خالد بھائی البتہ کبھی کبھی جاتے ہیں اُن کی طرف۔

احمد: (سوچتے ہوئے) اچھا (عابد سے) تم اس سلسلے میں کوئی بات نہ کرنا۔ یہ کام بہت احتیاط سے کرنے کا ہے۔

عابد ایسے انداز سے کندھے جھٹکتا ہے جیسے کہہ رہا ہو "آپ کی مرضی"

سین نمبر ۴

رات کا وقت

(فقیر حسین اپنے بستر میں لیٹا کچھ پڑھ رہا ہے۔ قریب ہی سعیدہ چارپائی کے آگے تپائی رکھے کسی کتاب سے کچھ پڑھ کر لکھتی ہے۔ چند لمحوں بعد دروازے پر دستک ہوتی ہے۔ دونوں حیرت سے ایک دوسرے کی طرف دیکھتے ہیں۔ دوبارہ دستک کی آواز کے ساتھ ہی احمد علی کی آواز آتی ہے۔)

بھائی فقیر حسین!!!

(فقیر حسین دروازے کی طرف حیرت سے بڑھتا ہے دروازہ کھولتا ہے، احمد علی کو دیکھ کر مزید حیرت زدہ ہوتا ہے پھر گھبرا کر پوچھتا ہے۔)

فقیر حسین: کیا بات ہے احمد علی خیریت تو ہے؟

احمد علی: (قدرے پریشانی میں مسکراتے ہوئے) ہاں سب خیریت ہے۔ کیوں؟

فقیر حسین: آج شاید پندرہ بیس برس بعد تم نے اس دہلیز پر قدم رکھا ہے، میں تو ڈر گیا تھا کہ شاید---

احمد علی: اچھا اب زیادہ شرمندہ نہیں کرو تم کون سا آئے ہو میری طرف۔

سعیدہ: اٹھ کر قریب آتے ہوئے، اندر آیئے نا چچا جان۔

احمد علی: بھئی یہ تمھارا والد رستہ چھوڑے تو پھر ہے نا----- مجھے لگتا ہے اسے میرا آنا اچھا ہی نہیں لگا۔

فقیر حسین: (جلدی سے پیچھے ہٹتے ہوئے) اوہ معاف کرنا۔ آؤ سعیدہ بیٹی!! اختر کے کمرے سے کرسی لے آؤ۔

احمد علی: ارے نہیں میں، یہیں بیٹھ جاتا ہوں تمھارے پاس۔

سعیدہ: جی۔

احمد علی: ماشاءاللہ کتنی بڑی ہو گئی ہو۔ خالد بتا رہا تھا کہ وہ تم لوگوں سے ملتا رہتا ہے۔ میں تو اس فیکٹری کی بک بک میں ایسا پڑا ہوں کی دین و دنیا سے گیا ہوں صبح سے رات تک کولہو کے بیل کی طرح کام کرنا پڑتا ہے----- عزیز رشتہ داروں سے ملنے کا وقت نہیں ملتا۔

فقیر حسین: وقت ملتا نہیں احمد علی نکالا جاتا ہے۔ اللہ نے تمھیں اتنا دیا ہے کس لیے: کہ تم اسے احسن طریقے سے خرچ کرو تا کہ دین و دنیا دونوں میں تمھیں راحت نصیب ہو۔ لیکن تم ہندسوں کو ضربیں دینے کے چکر میں ایسے پڑے ہو کہ تمھیں اور کسی طرف دیکھنے کی فرصت ہی نہیں ملتی۔

سعیدہ: اوہو ابو!! احمد چچا اتنے برسوں کے بعد ہمارے گھر آئے ہیں اور آپ--- کیا پیئیں گے آپ؟

احمد علی: نہ بیٹی میں گھر سے کھانا کھا کے، چائے پی کے نکلا ہوں۔

فقیر حسین: ایک کپ ہی پی لو۔ مجھے یقین ہے سعیدہ تمھارے باورچی سے بہتر چائے بناتی ہے۔

احمد علی: پھر وہی۔ اچھا بابا پلوا دو۔ چینی نہیں ڈالنی بیٹی۔

سعیدہ (جاتے ہوئے) جی اچھا۔

چند لمحوں کی خاموشی۔ احمد ایسے ہی کتاب الٹ پلٹ کر دیکھتا ہے۔

احمد علی: کیا پڑھ رہے ہو۔ مجھے تو وقت ہی نہیں ملتا کچھ پڑھنے کا۔

فقیر حسین: حالاں کہ سکول کے زمانے میں تم ہم سب سے زیادہ کتابیں پڑھا کرتے تھے۔

احمد علی: (ہنستے ہوئے) شاید اسی لیے میرا کوٹہ تم سے پہلے ختم ہو گیا ہے۔ بیٹا کدھر ہے تمھارا۔

فقیر حسین: کہیں گیا ہوا ہے؟

احمد علی: کس کلاس میں پڑھتا ہے۔ اب ماشاءاللہ!!

فقیر حسین (ایک دم رنجیدہ سا ہو کر) فورتھ ائیر میں پڑھ رہا تھا۔ اب چھوڑ دیا ہے۔

احمد: بھئی! اسے سمجھایا ہوتا تم نے۔ تعلیم تو۔۔۔ میرا خیال ہے، بہت ضروری ہے۔

فقیر حسین: تمھارا کیا خیال ہے، میں نے نہیں سمجھایا ہو گا۔

احمد: ہاں۔ وہ تو۔۔۔ مگر۔۔۔۔ وہ تو خاصا ذہین بچہ نہیں تھا؟ مجھے یاد پڑتا ہے ایک دو دفعہ اس کی تصویر بھی آئی تھی اخبار میں کسی DEBATE وغیرہ کے سلسلے میں؟؟

فقیر حسین: ہاں مگر اب پتہ نہیں اسے کیا ہو گیا ہے۔ سارا سارا دن آوارہ گھومتا رہتا ہے۔

احمد: اسے میرے پاس بھجوا دو۔۔۔۔ میں فیکٹری میں کہیں۔۔۔۔

(فقیر حسین کو متاثر دیکھ کر)

میرا مطلب ہے کسی اچھی جگہ پر لگا دوں گا۔

فقیر حسین: مجھے کچھ پتہ نہیں کہ وہ کیا کرنا چاہتا ہے اور ایسے میں اسے تمھارے پاس بھیج کر کوئی شکایت نہیں سننا چاہتا۔

احمد علی: دراصل یہ علاقہ بھی بہت فضول ہے۔ اچھے علاقے اور اچھی صحبت کا بڑا اثر ہوتا ہے کردار پر۔

فقیر حسین: ہاں شاید۔

احمد علی: تم کسی بہتر علاقے میں کیوں نہیں شفٹ ہو جاتے۔

فقیر حسین: کیسی باتیں کرتے ہو۔ اسی مکان کی آڑ میں تو میری سفید پوشی نبھ گئی ہے۔۔۔۔ ورنہ میری تنخواہ تو۔۔۔۔۔ اور اب تو دو مہینے بعد میں ریٹائر ہونے والا ہوں۔ اس چھت کو چھوڑ کر کہاں جاؤں گا۔

احمد علی: میرے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ اس مکان کو بیچ کر کسی بہتر آبادی میں مکان خرید لو۔۔۔۔ ادھر سیٹلائیٹ ٹاؤن وغیرہ میں۔

فقیر حسین: دراصل مجھے اس گھر کی عادت سی ہو گئی ہے۔۔۔۔۔۔ تیس برس کا ساتھ ہے۔ اس سے جدا ہونے کا میں تو تصور بھی نہیں کر سکتا۔

احمد: یہ تو بڑی بچگانہ سی جذباتیت ہے۔۔ بہتر مستقبل کے لیے چند چھوٹی موٹی یادوں کو تو قربان کرنا ہی پڑتا ہے، نئے مکان تو ترقی کا زینہ ہوتے ہیں۔

فقیر حسین: یہ مکان نہیں ہے احمد علی، گھر ہے، میرا گھر، شہر کی زندگی اس کے مکانوں سے نہیں گھروں سے عبارت ہوتی ہے۔

احمد: (پریشان ہو کر ہنستے ہوئے) کتابیں پڑھ پڑھ کر تم فقرے بہت اچھے بولنے لگ گئے ہو۔

(سعیدہ ایک ٹرے میں چائے اور بسکٹوں کی پلیٹ لاتی ہے۔)

احمد: ارے بھئی یہ کیا ہے؟ میں نے صرف چائے کی حامی بھری تھی۔

سعیدہ: یہ بسکٹ میں نے خود بنائے ہیں۔ گھر میں، لیجیے۔۔۔۔ چکھیے تو سہی۔

فقیر حسین: سعیدہ کو بڑا شوق ہے ان باتوں کا۔۔۔۔ عجیب عجیب الٹی سیدھی چیزیں بناتی رہتی ہے اور ہر تجربے میں تختۂ مشق مجھے بننا پڑتا ہے۔

سعیدہ: (پیار بھرے شکوے سے) ابو!! اتنی انسلٹ (INSULT) تو نہ کیجیے میرے کھانوں کی۔

(احمد اور فقیر ہنستے ہیں۔ احمد ایک دم کسی سوچ میں پڑ جاتا ہے۔)

احمد: اچھا بھئی فقیر حسین۔ میں اب چلتا ہوں۔ پرسوں دوپہر کا کھانا تم سب لوگ میری طرف کھاؤ گے۔

فقیر حسین: کیا مطلب؟

احمد: کیوں؟

فقیر حسین: وہ اس لیے کہ۔۔۔۔ لاجواب سا ہو کر بات بنانے کی کوشش کرتا ہے۔

احمد: بے کار کی ضد نہ کرو فقیر حسین۔ تم نے خواہ مخواہ اپنے گرد یہ تنہائی کی دیوار تان رکھی ہے۔ تمھارا میرا خون کا رشتہ ہے۔ میرے گھر آنے سے تمھاری عزت کچھ گھٹ نہیں جائے گی۔

فقیر حسین: نہیں یہ بات نہیں۔ دراصل۔۔۔۔۔

احمد: (اٹھتے ہوئے) پرسوں دوپہر ایک بجے۔۔۔۔
سعیدہ سے یہ تمھارے ذمے ہے بیٹی۔

سعیدہ: (حیرت سے) م م میں۔۔۔۔ میرے۔

احمد: (فقیر حسین) مجھے تم سے ایک اور بات بھی کرنی ہے۔ اب بھولنا نہیں۔ اچھا خدا حافظ۔

احمد جاتا ہے۔ دونوں باپ بیٹی چند لمحے حیرت سے ایک دوسرے کی طرف دیکھتے ہیں۔)

سین نمبر ٦

(احمد علی کا ڈرائنگ روم۔)

(عابد علی اور احمد علی۔)

احمد: وہ لوگ آجائیں تو یوں سمجھو آدھا کام ہو گیا۔

عابد: آپ خواہ مخواہ انھیں اتنی Importance دے رہے ہیں۔ کیا ضرورت ہے اتنا لمبا چکر کاٹنے کی۔ اگر آرام سے جگہ خالی نہیں کرتے تو میرے پاس ایسا انتظام ہے کہ وہ ایک ہفتے میں تیر کی طرح سیدھے ہو جائیں گے اور کسی کو کانوں خبر نہیں ہو گی۔

احمد: ہر کام کرنے سے پہلے اس کے نفع نقصان کے تمام پہلوؤں کو دیکھ لینا چاہیے۔ تم فقیر حسین کو نہیں جانتے۔۔۔ وہ ایسا آدمی نہیں جسے لالچ سے خریدا یا خوف سے جھکایا جا سکے۔ میں کوئی غلط قدم اٹھا کے اپنا آٹھ کروڑ کا منصوبہ خراب نہیں کرنا چاہتا۔

عابد: اوہو ڈیڈ۔ ایک تو میں آپ کی ان احتیاطی تدابیر سے بہت تنگ ہوں۔

سین نمبر ۱۴

(احمد۔ فقیر حسین۔)

احمد: میری بات سمجھنے کی کوشش کرو فقیر حسین۔۔۔۔ تمھیں رقم کی ضرورت ہے۔۔۔ اختر کی تعلیم کے لیے سعیدہ کی شادی کے لیے۔

فقیر حسین: اللہ مالک ہے۔

احمد: آخر تمھیں اعتراض کیا ہے۔ میں تمھیں اس مکان سے بہتر مکان دے رہا ہوں۔ تیس چالیس ہزار اس کے علاوہ دے رہا ہوں۔ اب تم بلاوجہ ضد کرو تو اور بات ہے۔

فقیر حسین: سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ تم مجھ پر یہ خصوصی عنایت کیوں کر رہے ہو۔

احمد: اس لیے کہ تم۔۔۔ تم میرے بھائی ہو۔

فقیر حسین: اگر یہ بات ہوتی تو یقین کرو میں تمھارے ایک دفعہ کہنے پر بغیر ایک پیسہ لیے مکان خالی کر دیتا چاہے مجھے فٹ پاتھ پر ہی کیوں نہ رہنا پڑتا۔ مگر اس طرح نہیں احمد علی۔۔۔ اس طرح نہیں۔

احمد: اچھا چلو مان لیا کہ اس میں میرا بھی فائدہ ہے۔۔۔ تو کیا تم میرے فائدے میں خوش نہیں ہو۔

فقیر حسین: ضرور ہوتا۔ اگر تم نے مجھے یہ بھائی چارے کا چکر نہ دیا ہوتا۔ زندگی میں ہمیشہ مجھے ایک چیز سے شدید نفرت رہی ہے اور وہ یہ کہ کوئی مجھے بے وقوف بنانے کی کوشش کرے، میرے اعتماد کو دھوکہ دے۔ تمھارا میرے گھر آنا اور مجھے یہ دعوت دینا صرف اس لیے تھا کہ تم رشتہ داری کی آڑ لے کر مجھ سے سودا کرنا چاہتے تھے۔ یقین کرو اگر تم نے براہِ راست مجھ سے یہ بات کہہ دی ہوتی تو شاید میں مان جاتا لیکن اب نہیں۔

احمد: اوہو۔ اچھا بابا مجھ سے غلطی ہو گئی۔ معاف کرو۔۔۔ اب غصہ تھوک دو۔

فقیر حسین: (بے قراری سے کمرے میں ٹہلتے ہوئے، تم کتنی آسانی سے دو منٹ میں تین مختلف باتیں کر لیتے ہو۔۔۔ مگر مجھے یہ سب کچھ نہیں آتا۔۔۔ شاید یہی وجہ ہے کہ میں آج بھی ایک غریب اور تنگ دست انسان ہوں اور تم اتنے بڑے کاروبار کے مالک ہو۔ لیکن احمد علی ۔۔۔ مجھے اپنے فیصلے پہ ندامت نہیں ہے۔۔۔ میں جب کبھی اپنی اس کانٹوں بھری زندگی کو دیکھتا ہوں تو مجھے پھولوں کے نہ ہونے کا احساس

تو ضرور ہوتا ہے لیکن پچھتاوا نہیں ہوتا۔۔۔ بوڑھے تو ہم دونوں ہو چلے ہیں احمد علی۔۔۔ زندگی تو ہم دونوں کی گزر گئی ہے مگر میں سمجھتا ہوں میں تمھاری نسبت بہت بہتر طور سے جیا ہوں۔

احمد: تمھاری اسی منطق نے تمھیں تباہ کیا ہے۔۔۔ کیا بہتری ہے تمھاری زندگی میں؟ کس بات کی سزا دے رہے ہو تم اپنی اولاد کو؟ اس بھوکے ننگے محلے میں کس کو پرواہ ہے تمھاری۔۔۔ اپنے خیالوں کی دلدل سے نکلو فقیر حسین۔ زندگی کو چھو کر دیکھو کہ وہ کیسی ہوتی ہے؟

فقیر حسین: تتلیاں دور سے ہی اچھی لگتی ہیں احمد علی۔۔۔ چھو لو تو صرف ان کے رنگ ہاتھوں میں رہ جاتے ہیں۔۔۔ تتلیاں یا مر جاتی ہیں یا اڑ جاتی ہیں۔

احمد: تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم مکان میرے ہاتھ نہیں بیچو گے۔

فقیر حسین: نہیں۔

احمد: یعنی تم میری ایک غلطی کی سزا اپنی اولاد کو دو گے۔

فقیر حسین: اپنی اولاد کے بارے میں مجھے تم سے زیادہ فکر ہے۔

احمد: اچھا بابا۔۔۔ کہہ دیا نا اب جانے دو۔۔۔ معاف کر دو۔

عابد: (قدم آگے بڑھاتے ہوئے) غصے سے، آپ کیوں اتنی منتیں کر رہے ہیں ڈیڈ۔۔۔ TO HELL WITH IT نہیں بیچتے تو نہ بیچیں۔۔۔ ہم میں زور ہو گا تو ہم خود لے لیں گے۔

فقیر حسین: (طنزیہ انداز میں) ماشاءاللہ۔

احمد: تم بیچ میں نہیں بولو عابد۔ جاؤ اندر جاؤ۔

عابد: میں بہت دیر سے آپ کی باتیں سن رہا ہوں ڈیڈ۔۔۔ یہ آپ کے کزن صاحب کچھ زیادہ ہی ہیرو بننے کی کوشش کر رہے ہیں۔۔۔ ایسے آدمی پیار و محبت کی زبان نہیں سمجھتے۔

احمد: عابد!!!

عابد: پلیز ڈیڈ۔۔۔ آپ یہ کام مجھ پر چھوڑ دیجیے۔۔۔ میں دیکھتا ہوں کیسے نہیں چھوڑتے مکان یہ لوگ۔۔۔ اگر یہ ہاتھ جوڑ کر معافی نہ مانگیں تو میرا نام عابد نہیں۔

فقیر حسین: شکریہ! احمد علی۔۔۔ میرے خیال میں اب اس کے بعد ہمارے یہاں رکنے کی مزید گنجائش نہیں رہی۔ تمھاری اس پہلی اور آخری دعوت کا بہت بہت شکریہ، میرے بچوں کو بُلوا دو۔

عابد: بچوں سے بہت پیار لگتا ہے۔

فقیر حسین: ہاں! لیکن انسان کے بچوں سے۔

عابد: اوہ۔ شٹ اپ۔۔۔ مجھے ابا جان کا لحاظ ہے ورنہ۔

فقیر حسین: فکر نہ کرو۔۔۔ اگر یہی حالات رہے تو ابا جان کا لحاظ بھی نہیں رہے گا تمھیں۔ (دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے) سعیدہ۔ اختر۔ بھئی کہاں ہو تم۔۔۔

سین نمبر ۱۵

(فقیر حسین کا گھر)

سعیدہ: آخر آپ بتاتے کیوں نہیں۔ کیا بات ہوئی تھی وہاں۔

فقیر حسین: کہنا کچھ نہیں۔ بڑوں کی باتوں میں بچے دخل نہیں دیا کرتے۔

اختر: (وقفہ) یہ عابد آپ کی طرف ایسے گھور کر کیوں دیکھ رہا تھا۔

فقیر حسین: (نظریں چراتے ہوئے) کب۔۔۔ میں نے تو نہیں دیکھا۔

اختر: ضرور ان لوگوں نے آپ سے کوئی زیادتی کی ہے۔

فقیر حسین: (غصہ دباتے ہوئے) یہ ایک دم تمھارے دل میں میری محبت کیسے جاگ پڑی ہے۔۔۔ تم جاؤ اپنی موج کرو۔ آوارہ گردوں میں اٹھو بیٹھو، میرے عمر بھر کے کمائے ہوئے نام پر مٹی ڈالو۔

اختر جھنجھلا کر کمرے سے نکل جاتا ہے۔ فقیر حسین کمبل کھینچ کر اوپر لیتا ہے۔ سعیدہ چند لمحے کچھ سوچتی رہتی ہے۔ پھر کمرے سے نکل جاتی ہے۔

(ڈیزالو)

امجد اسلام امجد (۱۹۴۴ء۔ ۲۰۲۳ء)

ایک پاکستانی اردو شاعر، ڈراما نگار اور گیت نگار تھے۔ ۵۰ سال پر محیط کیریئر میں انہوں نے چالیس سے زائد کتابیں تصنیف کی۔ انہیں اپنے ادبی کام اور ٹی وی کے لیے اسکرین پلے کے لیے بہت سے اعزازات ملے، جن میں تمغائے حسن کارکردگی اور ستارۂ امتیاز شامل ہیں۔

امجد اسلام کی پیدائش ۴اگست ۱۹۴۴ کو لاہور میں ہوئی۔ انھوں نے اسلامیہ کالج لاہور سے بی۔ اے کرنے کے بعد پنجاب یونیورسٹی سے اردو میں ایم اے کی ڈگری حاصل کی۔ انھوں نے اپنے کیریئر کے آغاز ایم اے او کالج لاہور کے شعبہ اردو میں استاد کی حیثیت سے کیا۔

۱۹۷۵ء اور ۱۹۷۹ء کے درمیان امجد اسلام امجد پاکستان ٹیلی ویژن نیٹ ورک کے ڈائریکٹر رہے۔ ۱۹۸۹ء میں انھیں اردو سائنس بورڈ کا ڈائریکٹر بنادیا گیا۔ انھوں نے چلڈرن لائبریری پروجیکٹ میں ڈائریکٹر کی حیثیت سے بھی خدمات انجام دی تھیں۔ امجد اسلام امجد آپنی علمی ادبی خدمات کے صلے میں تمغائے حسن کارکردگی اور ستارۂ امتیاز سے نوازے گئے ہیں۔ ان کی شخصیت پر تقریباً دس سے زائد تنقیدی کتابیں لکھی جاچکی ہیں۔

امجد اسلام امجد کی وفات ۱۰ فروری ۲۰۲۳ء کو لاہور میں دل کا دورہ پڑنے سے ہوئی۔ ان کے شعری مجموعوں میں شامل ہیں: "بارش کی آواز"، "شام سرائے"، "اتنے خواب کہاں رکھوں"، "نزدیک"، "یہیں کہیں"، "ساتواں در"، "فشار"، "سحر آثار"، "ساحلوں کی ہوا"، "محبت ایسا دریا ہے"، "برزخ"، "اس پار"

مشق

۱۔ امجد اسلام امجد کے لکھے ہوئے اس ڈرامے کی ٹی وی ریکارڈنگ انٹرنیٹ سے نکال کر یوٹیوب چینل پر دیکھیے (خاص طور پر شامل نصاب حصہ) ۔اس کے بعد اس ڈرامے کے موضوعات اور اسالیب (اخلاقی، معاشرتی، معاشی نکات) پر تبصرہ کرتے ہوئے سین نمبر ۴ پر اپنی رائے کا اظہار کریں۔

۲۔ امتیاز علی تاج کے معروف ڈرامے 'انار کلی' کے مکالمے سن کر خاص طور پر شہزادہ سلیم کے، شدت تاثر کے حامل مکالموں پر اپنی رائے کا اظہار کریں۔

۳۔ درج ذیل عبارت میں اردو افسانے کے آغاز و فروغ میں اہم کردار ادا کرنے والے مختصر عناصر بیان کیے گئے ہیں۔ان اشارات کے مطابق اس عبارت کی تفہیم/تنقید و تجزیہ/تبصرہ کریں۔

"بیسویں صدی کے آغاز میں افسانے کی ترویج و اشاعت میں ہندوستانی رسائل اور اخبارات نے نہایت اہم کردار ادا کیا۔رسالہ "معارف"، "مخزن" اور "اُردوئے معلیٰ" وغیرہ نے افسانوی ادیبوں کو سہارا دیا اور اِس نووارد صنفِ سخن کو توانا بنانے میں بہت مدد کی۔افسانے کو اُردو میں متعارف کروانے والوں میں اوّلیت کی بحث سے قطع نظر سجاد حیدر یلدرم اور پریم چند کے نام نمایاں دکھائی دیتے ہیں۔سجاد حیدر یلدرم کے توسط سے اُردو افسانوں میں رُومانویت کی لہر در آئی اور پریم چند نے اصلاحی و حقیقی رنگ کو اپنے افسانوں میں متعارف کروایا۔"

۴۔ درج ذیل پیراگراف کا مطالعہ کیجیے اور ڈرامے کے اجزا اور ادبی محاسن کے حوالے سے دیے گئے سوالات کے جوابات دیں۔

"ڈراما ایک ایسی صنفِ ادب ہے جس کے لیے عمل ناگزیر ہے لہٰذا، اس کی پیشکش کے لیے کرداروں کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ارسطو کے بیان کے مطابق ڈرامے کے اجزائے ترکیبی میں قصہ اور پلاٹ، کردار، الفاظ، خیال آرائی اور موسیقی شامل ہیں۔ارسطو ان اجزا میں پلاٹ کو سب سے زیادہ اہمیت دیتا ہے جبکہ بعد ازاں کرداروں کو قابلِ ترجیح سمجھا جانے لگا۔ڈرامے کا پلاٹ سادہ اور مرکب دونوں اقسام کا ہو سکتا ہے۔ایسا پلاٹ جو چند واقعات کا مجموعہ ہو اور ان کی آپس میں وابستگی محض زمانی ہو، پلاٹ کہلاتا ہے۔وحدتِ عمل اور ایجاز و اختصار اس کا بنیادی تقاضا ہے۔"کشمکش" اور "تصادم" بھی ڈرامائی عمل کو تیز کرتے ہیں۔پلاٹ کی ترتیب کچھ یوں ہے۔آغاز، ارتقا، نُقطہ عروج، تنزّل اور اختصار۔موجودہ زمانے میں فلیش بیک کی تکنیک بھی استعمال کی جاتی ہے"۔

الف۔ ڈرامے کے لیے کیا چیز ناگزیر ہے؟

ب۔ ڈرامے کے اجزائے ترکیبی بیان کیجیے۔

ج۔ ارسطو کے نزدیک ڈرامے میں پلاٹ یا کردار میں سے کس کی اہمیت زیادہ ہے؟

د۔ ڈرامے کا بنیادی تقاضا کیا ہے؟

ر۔ پلاٹ کی ترتیب بیان کیجیے۔

۵۔ مصنف اور قاری کے نقطۂ نظر کو سمجھتے ہوئے "دہلیز" کا مرکزی خیال تحریر کریں۔

❖ متشابہات (تشابہ الفاظ)

اردو زبان میں بے شمار الفاظ ایسے ہیں جن کا املا ایک ہے لیکن معانی میں ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ مزید یہ کہ بعض الفاظ ایسے ہیں جن کا املا ایک ہے مگر اعراب اور معانی مختلف ہیں۔ ان کے علاوہ، ہم صوت یعنی ہم آواز الفاظ بھی ہوتے ہیں۔ الغرض ایسے الفاظ جن کی ظاہری شکل ملتی ہو لیکن وہ املا، معانی اور اعراب میں مختلف ہوں، متشابہ الفاظ کہلاتے ہیں۔

۶۔ مندرجہ ذیل متشابہ الفاظ کو پہچان کر اپنے جملوں میں استعمال کریں۔

اثر، عصر　　امارت، عمارت　　پَر، پُر　　قلب، کلب

۷۔ درج ذیل سابقوں اور لاحقوں سے لفظ بنا کر انھیں اپنے جملوں میں استعمال کریں۔

بے، وار، با، مند، ان، نیم، خانہ، گاہ

سرگرمی

استادِ محترم/استانی صاحبہ کی رہ نمائی میں کالج لائبریری میں جائیں۔ اس میں اردو افسانوں اور ڈراموں کے مجموعوں کی درجہ بندی اور فہرست کی ترتیب کو سمجھتے ہوئے اس کا استعمال کریں اور اپنی پسند کی کوئی ایک کتاب تلاش کریں۔

ہدایات برائے اساتذہ کرام

- ڈرامے کے اجزائے ترکیبی بیان کرتے ہوئے اسالیبِ نثر میں فرق و امتیاز کو واضح کریں۔
- طلبہ و طالبات کو کتب خانے کا دورہ کروائیں اور فہرست سازی کے اصولوں سے آگاہ کروائیں۔ انھیں کیٹلاگ سے کتاب تلاش کرنے کی مشق کروائیں۔
- طلبہ کو اُردو ڈرامے کے آغاز و ارتقا، اجزا اور موضوعات و تجربات کے حوالے سے ایک جامع لیکچر دیں تاکہ طلبہ ڈرامے کے اجزا اور ادبی محاسن کی خود بھی شناخت کر سکیں۔

۵

خدیجہ مستور (۱۹۲۷ء۔۱۹۸۲ء)

اور پاکستان بن گیا

یہ سبق پڑھنے کے بعد طلبہ اس قابل ہو جائیں گے کہ وہ:

- متن پڑھ کر خیالات، آرا اور رویوں کا آپس میں تعلق سمجھتے ہوئے اس پر تبصرہ و تجزیہ کر سکیں۔
- تحریری سرگرمیوں میں الفاظ کے درست املا کا خیال رکھتے ہوئے تحریری کام پر نظر ثانی اور ادارت (پروف ریڈنگ) کر سکیں۔
- مختلف تحاریر پڑھ کر ان میں عالمی مسائل کی نشان دہی کرتے ہوئے ان کے حل کی تجاویز پیش کر سکیں۔
- مختلف اصناف ادب (منظوم و منثور) کی ڈرامائی تشکیل کر سکیں۔
- درخواست / رسمی و غیر رسمی خطوط، دعوت نامے، تہنیت نامے کی تحریری یا برقی (ای میل) کی تشکیل کر سکیں۔
- حروف فجائیہ (تحریر و تقریر میں تاثر دینے والے الفاظ (تحسین، نفرین، تاسف، انبساط، استعجاب، تہنیت، تمنا اور قسم) کی نشان دہی اور استعمال کر سکیں۔
- علاماتِ اوقاف (استفجابیہ، استفہامیہ، تفصلیہ، رابطہ، ترچھا خط، علامت شعر، علامت تخلص، علامت مصرع) کو پہچان کر درست استعمال کر سکیں۔

ناول کا پس منظر:

خدیجہ مستور کا آنگن اردو کا ایک سیاسی ناول ہے اس کی کہانی تحریک پاکستان سے قیام پاکستان تک پھیلی ہوئی ہے۔ اس میں براہ راست سیاست کو پیش نہیں کیا گیا البتہ یو پی کے ایک مسلمان خاندان پر اس عہد کی سیاست کے اثرات بیان کیے گئے ہیں اور یہ سب کچھ گھر کے آنگن میں پیش آتا ہے۔ آنگن صرف ایک گھر کا آنگن نہیں بلکہ پورے معاشرے کا آنگن ہے۔ ناول میں مسلمان اشرافیہ کے خاندانوں کی گھریلو زندگی کی جھلک، نسوانی طبقے کی جذباتی زندگی اور دوسرے کرداروں کی نفسیات کو مہارت سے پیش کیا گیا ہے۔

کردار

عالیہ: ناول کا مرکزی کردار ہے اور ساری کہانی عالیہ کے گرد گھومتی ہے۔

بڑی چچی: ہمدرد اور مہربان خاتون بڑے چچا کی بیوی

بڑے چچا: عالیہ کے چچا ایک مہربان شخص اور سچے کانگریسی کارکن

اماں: عالیہ کی مغرور ماں

جمیل: بڑے چچا کا بیٹا۔ ایک مسلم لیگی کارکن

کریمن بوا: پرانی ملازمہ

اسرار میاں: بڑے چچا کے سوتیلے بھائی ایک قابل رحم کردار

پاکستان بن گیا۔ لیگی راہ نما کراچی دارالحکومت جا چکے تھے۔ مشرقی پنجاب میں خون کی ہولی کھیلی جا رہی تھی۔ بڑے چچا اس صدمے سے جیسے نڈھال ہو گئے تھے۔ بیٹھک میں بیماروں کی طرح وہ ہر ایک سے پوچھتے رہتے "یہ کیا ہو رہا ہے؟ یہ کیا ہو گیا ہے"؟

جب وہ یہ سب کچھ عالیہ سے پوچھتے تو وہ ان کا سر سہلانے لگتی۔ ''بڑے چچا آپ آرام کیجیے، آپ تھک گئے ہیں بڑے چچا۔'' اور بڑے چچا اس طرح آنکھیں بند کر لیتے جیسے خون کی ندی ان کی آنکھوں کے سامنے بہ رہی ہو۔

کریمن بوا فساد کی خبریں سن سن کر ٹھنڈی آہیں بھرا کرتیں۔ اپنے شہر میں فساد تو نہ ہوا تھا مگر سب کی جانوں پر بنی رہتی پتا نہیں کب کیا ہو جائے؟

''کہاں ہو گا میرا شکیل''، بمبئی میں فساد کی خبر سن کر بڑی چچی بلکنے لگیں۔

''تمھارا پاکستان بن گیا جمیل، تمھارے ابا کا ملک بھی آزاد ہو گیا، پر میرے شکیل کو اب کون لائے گا؟''

''سب ٹھیک ہو جائے گا اماں، وہ خیریت سے ہو گا۔ یہ فساد وساد تو چار دن میں ختم ہو جائیں گے''۔ جمیل بھیا ان کو سمجھاتے مگر ان کا چہرہ فق رہتا۔

شام سب لوگ خاموش بیٹھے چائے پی رہے تھے کہ ماموں کا خط آ گیا۔ انھوں نے اماں کو لکھا تھا کہ انھوں نے اپنی خدمات پاکستان کے لیے وقف کر دی ہیں اور وہ جلد ہی جا رہے ہیں۔ ''اگر آپ لوگوں کو چلنا ہو تو فوراً جواب دیجیے اور تیار رہیے۔''

بس ابھی تار دے دو جمیل میاں، ہماری تیاری میں کیا لگے گا، ہم تو بس تیار بیٹھے ہیں۔ ''اپنا بھائی ہے بھلا ہمیں اکیلا چھوڑ کر جا سکتا ہے'' مارے خوشی کے اماں کا منہ سرخ ہو رہا تھا۔

جمیل بھیا نے اس طرح گھبرا کر سب کی طرف دیکھا جیسے فسادی ان کے دروازے پر پہنچ گئے ہوں ''مگر آپ کیوں جائیں گی چھوٹی چچی'' آپ یہاں محفوظ ہیں۔ میں آپ کے لیے اپنی جان دے دوں گا۔'' انھوں نے آج بڑی مدت بعد عالیہ کی طرف دیکھا، کیسی سفارشی نظریں تھیں مگر عالیہ نے اپنی آنکھیں جھکا لیں۔

''میں نہ جاؤں تو کیا ہندوؤں کے نگر میں رہوں، پاکستان میں اپنوں کی تو حکومت ہو گی، پھر میں اپنے بھائی کو چھوڑ کر ایک منٹ بھی زندہ نہیں رہ سکتی، واہ۔'' مارے خوشی کے اماں سے نچلا نہ بیٹھا جا رہا تھا۔

''عالیہ جانے پر راضی نہیں ہو گی چھوٹی چچی، وہ نہیں جائے گی، وہ جا ہی نہیں سکتی۔'' جمیل بھیا نے جیسے نیم دیوانگی کے عالم میں کہا۔

''تم اچھے حق دار آ گئے، کون نہیں جائے گا۔'' اماں ایک دم بپھر اٹھیں۔ ''تم ہوتے کون ہو روکنے والے؟''

''ضرور جایئے چھوٹی چچی''۔ جمیل بھیا نے سر جھکا دیا اور عالیہ کو ایسا محسوس ہوا کہ وہ نہیں جا سکتی۔ صدیاں گزر جائیں گی مگر وہ یہاں سے ہل بھی نہ سکے گی۔

''میں ابھی تار کیے دیتا ہوں کہ سب تیار ہیں''۔ جمیل بھیا اٹھ کر باہر چلے گئے۔

عالیہ کا جی چاہا کہ وہ چیخ چیخ کر اعلان کرے کہ وہ نہیں جائے گی، وہ نہیں جا سکتی، اسے کوئی نہیں لے جا سکتا، مگر اس کے گلے میں تو سیکڑوں کانٹے چبھ رہے تھے، وہ ایک لفظ بھی نہ بول سکی، اس نے ہر طرف دیکھا اور پھر نظریں جھکا لیں مگر وہ کیوں رکے، کس لیے، کس کے لیے، اس نے سوچا اور پھر جیسے بڑے سکون سے چھالیہ کاٹنے لگی۔ عالیہ بیگم اگر تم رہ گئیں تو ہمیشہ کے لیے دلدل میں پھنس جاؤ گی۔

''کریمن بوا!!! اگر سب لوگ چائے پی چکے ہوں تو۔۔۔۔'' اسرار میاں نے بیٹھک سے آواز لگائی اور کریمن بوا، آج تو ڈائنوں کی طرح چیخنے لگیں۔۔۔ ''ارے کوئی تو اس اسرار میاں کو بھی پاکستان بھیج دو۔ سب چلے گئے، سب چلے جائیں گے مگر یہ کہیں نہیں جاتا''۔

بیٹھک میں اسرار میاں کے کھانسنے کی آواز آئی اور پھر خاموشی چھا گئی۔

''کیا تم سچ مچ چلی جاؤ گی چھوٹی دلہن؟'' بڑی دیر تک چپ رہنے کے بعد بڑی چچی نے پوچھا۔

''ظاہر ہے کہ چلی جاؤں گی''۔ اماں نے رکھائی سے جواب دیا۔

''یہ گھر تمھارا ہے چھوٹی دلہن، مجھے اکیلے نہ چھوڑو''۔ بڑی چچی نے ڈبڈبائی ہوئی آنکھیں بند کر لیں، شاید وہ تنہائی کے بھوت سے ڈر رہی تھیں۔

عالیہ جیسے پناہ ڈھونڈنے کے لیے اوپر بھاگ گئی۔ دھوپ پیلی پڑ کر سامنے کے مکان کی اونچی دیوار پر چڑھ گئی تھی۔ ہائی اسکول کے احاطے میں بسیرا لینے والے پرند مسلسل شور مچائے جا رہے تھے۔

کھلی فضا میں آکر اس نے اطمینان کی سانس لی اور مسافروں کی طرح ٹہل ٹہل کر سوچنے لگی کہ اب آگے کیا ہوگا، شاید اچھا ہی ہو، وہ یہاں سے جاکر ضرور خوش رہے گی۔

جب وہ نیچے اتری تو سب اپنے اپنے خیالوں میں مگن بیٹھے تھے، صرف کریمن بوا جانے کس بات پر بڑبڑا رہی تھیں اور پُھرتی سے روٹیاں پکاتی جا رہی تھیں۔ جمیل بھیا کہاں گئے، اب تک کیوں نہیں آئے، عالیہ نے سونی کرسی کی طرف دیکھا۔ جانے یہ سرپھرا آدمی اسے یاد کرے گا یا بھول جائے گا۔ اس نے اپنے آپ سے پوچھا۔

لالٹین کی بتی خراب تھی اس لیے اس میں سے دو لویں اٹھ رہی تھیں اور ایک طرف سے چمنی سیاہ ہوگئی تھی۔ مدھم روشنی میں اماں، بڑی چچی اور کریمن بوا کے چہرے بگڑے بگڑے لگ رہے تھے۔

جمیل بھیا گھر میں داخل ہوئے اور اپنی کرسی پر بیٹھ گئے۔ ''میں تار کر آیا ہوں چھوٹی چچی''۔ انھوں نے دھیرے سے کہا۔

''تم اتنی دیر تک باہر نہ رہا کرو، شام سے گھر آجایا کرو، جانے کب یہاں بھی گڑبڑ ہو جائے''۔ بڑی چچی نے کہا۔

''رہنا تو پڑتا ہے، مسلمان ڈرے ہوئے ہیں، انھیں سمجھانا ہے کہ وہ یہاں ڈٹ کر رہیں اور یہاں کی فضا کو پرامن رکھیں، گھر میں بیٹھ کر تو کام نہ چلے گا۔''

''تو یہ اب ملک آزاد ہو گیا تو یہ کام شروع ہو گئے، خیر مجھے کیا، تم نے تار پر پتا ٹھیک لکھا تھا نا؟ اماں نے پوچھا۔ ''آپ اطمینان رکھیں، پتا ٹھیک تھا۔''

''خیر سے ہم تو پاکستان جا رہے ہیں، مگر اب تم اپنے گھر کی فکر کرو جمیل میاں، کیا بری حالت ہو چکی ہے، اپنی ماں کی طرف بھی دیکھو''۔ اماں نے ہمدردی سے بڑی چچی کی طرف دیکھا۔

''کون جا رہا ہے پاکستان؟'' بڑے چچا نے صحن میں قدم رکھتے ہی بوکھلا کر پوچھا۔ انھوں نے اماں کی باتیں سن لی تھیں۔

''میں اور عالیہ جائیں گے، اور کسے جانا ہے''۔ اماں نے تڑاخ سے جواب دیا۔

''کوئی نہیں جا سکتا، میری اجازت کے بغیر کوئی قدم نہیں نکال سکتا، کس لیے جاؤ گے پاکستان؟ یہ ہمارا ملک ہے، ہم نے قربانیاں دی ہیں اور اب ہم اسے چھوڑ کر چلے جائیں؟ اب تو ہمارے عیش کرنے کا وقت آ رہا ہے''۔ بڑے چچا سخت جوش میں تھے۔

''ماشاءاللہ آپ بڑے حق دار بن گئے، نہ کھلانے کے نہ پلانے کے، کون سا دکھ تھا جو یہاں آکر نہیں جھیلا، میرے شوہر کو بھی آپ ہی نے چھین لیا، آپ ہی نے انھیں مار ڈالا۔ میری لڑکی کو یتیم کر دیا اور اب حق جتا رہے ہیں۔'' مارے غصے کے اماں کی آواز کانپ رہی تھی۔

''کریمن بوا!! میرا کھانا بیٹھک میں بھجوا دو''۔ بڑے چچا سر جھکا کر بیٹھک میں چلے گئے۔

''کیا آپ چلنے سے پہلے بڑے چچا کو یہی بدلہ دینا چاہتی ہیں؟ بڑے چچا نے کسی کو تباہ نہیں کیا، بڑے چچا نے کسی کو دعوت نہیں دی تھی کہ آؤ اور میرا ساتھ دو۔ آپ آج اچھی طرح سن لیں کہ مجھے بڑے چچا سے اتنی ہی محبت ہے جتنی ابا سے تھی۔'' عالیہ نے کھانا چھوڑ دیا اور ہاتھ دھو کر بیٹھک میں چلی گئی، اماں کیا کہتی رہ گئیں اس نے ذرا بھی نہ سنا۔

''کیا تم سچ مچ جا رہی ہو۔ بیٹی؟''

''ہاں بڑے چچا، اماں جو تیار ہیں۔'' اس نے جواب دیا۔

''بڑے چچا میں تو اماں کا واحد سہارا ہوں، میں انھیں کس طرح چھوڑ دوں، وہ ضرور جائیں گی مگر آپ کو نہیں معلوم کہ یہ گھر چھوڑ کر میں کس طرح تڑپوں گی، آپ۔۔۔ تو۔۔۔'' وہ دونوں ہاتھوں میں منہ چھپا کر سسکنے لگی۔

چھوٹی دلھن کو مجھ سے سخت نفرت ہے، ٹھیک ہے، میں نے تم لوگوں کے لیے کچھ بھی نہ کیا، مگر اب وقت آیا تھا کہ اس گھر میں پہلی سی شادمانی لوٹ آتی، مجھے بڑی اچھی ملازمت دی جارہی ہے، پھر دکانوں کو چلانے کے لیے دس پندرہ ہزار کی امداد بھی ملنے کی توقع ہے، میں چھوٹی دلھن کی سب شکایتیں رفع کردوں گا"۔۔۔انھوں نے عالیہ کو پیار سے تھپکا۔۔۔"کیا گھر میں تیل ختم ہو گیا ہے؟ لالٹین کی روشنی مدھم ہوتی جارہی ہے،اب ان شاءاللہ تھوڑے دنوں میں کنکشن بحال کرالوں گا اور اب تم ایم اے میں داخلہ کیوں نہ لے لو۔ میرا خیال ہے کہ تم کو اگلے سال ضرور داخل کرادوں۔"

عالیہ کا کلیجہ کٹ رہا تھا۔ آنسو پونچھ کر وہ خاموش بیٹھی رہی۔ جی ہی جی میں گھٹ رہی تھی مگر ایک لفظ بھی نہ بول سکی۔ خدا آپ کو سکھ دے بڑے چچا، خدا آپ کے سارے سہانے خواب پورے کرے۔۔۔وہ دل ہی دل میں دعا مانگ رہی تھی۔ وہ بڑے چچا سے کس طرح کہتی کہ وہ تو یہاں سے خود بھاگ جانا چاہتی ہے۔

اسرار میاں بیٹھک میں داخل ہونے کے لیے پٹ کھول رہے تھے۔ عالیہ اٹھ کر صحن میں آگئی۔

اماں اور بڑی چچی جانے کیا باتیں کر رہی تھیں۔ جمیل بھیا اب تک کرسی پر بیٹھے انگلیاں مروڑ رہے تھے۔ وہ ایک لمحے تک آنگن میں کھڑی رہی اور پھر اوپر چلی گئی۔

شبنم سے بھیگی ہوئی رات بڑی روشن ہو رہی تھی۔ چاند جیسے وسط آسمان پر چپک رہا تھا اور روز کی طرح آج بھی قریب کی کسی چھت پر گراموفون ریکارڈ بج رہے تھے۔ "تری گٹھڑی میں لاگا چور، مسافر جاگ ذرا"۔

وہ آہستہ آہستہ ٹہلنے لگی کیسی عجیب سی حالت ہو رہی تھی، جیسے سوچنے سمجھنے کی ساری صلاحیت کسی نے چھین لی ہو۔ "کیا یہ میں ہوں؟" اس نے اپنے آپ سے پوچھا اور پھر اپنی آواز سن کر حیران رہ گئی۔۔۔۔ حد ہے دیوانگی کی، وہ کس سے پوچھ رہی تھی۔

ٹہلتے ٹہلتے وہ ایک بار مڑی تو جمیل بھیا بت کی طرح بے حس و حرکت کھڑے تھے۔ وہ اور تیزی سے ٹہلنے لگی۔ اب یہ کیا کہنے آئے ہیں۔ انھوں نے اپنا وعدہ بھلا دیا۔

"کیا سچ مچ تم نے جانے کا فیصلہ کر لیا ہے؟" انھوں نے دھیرے سے پوچھا۔ "ہاں"! اس نے ٹہلتے ہوئے جواب دیا۔

"تم یہاں سے جا کر غلطی کرو گی۔ تم نے ایک بار کہا تھا کہ دور رہ کر یادیں بہت اذیت ناک ہو جاتی ہیں۔ میرا خیال ہے کہ تم وہاں خوش نہ رہو گی"۔

"میں ہر جگہ خوش رہوں گی۔ مگر آپ نے تو وعدہ کیا تھا کہ آپ مجھ سے کبھی کچھ نہ کہیں گے۔"

"میں کیا کہہ رہا ہوں؟"

"کچھ نہیں۔"

"تم میری مقروض ہو، یاد رکھنا کہ تم کو یہ قرض چکانا ہوگا"۔ وہ جانے کے لیے مڑے۔ "تم خوش رہو گی نا؟" انھوں نے رک کر پوچھا۔

وہ چپ رہی۔ جمیل بھیا تھوڑی دیر کھڑے رہے اور پھر چلے گئے اور اس نے محسوس کیا کہ اس وقت وہ سب کچھ کھو بیٹھی ہے۔

بڑی دیر تک یوں ہی ٹہلنے کے بعد جب وہ تھک گئی تو چھمی کو خط لکھنے بیٹھ گئی۔ اسے یہاں سے جانے کی اطلاع دینی تھی۔

یہ رات پہاڑوں کا بوجھ اٹھائے ہوئے ہے، کوئی اسے گزار دے۔ کوئی صبح ہونے کا پیغام سنا دے۔ اسے صبح ہونے کا انتظار ہے۔ صبح وہ چلی جائے گی اور اس کرب سے نجات حاصل کر لے گی۔

سب بول رہے ہیں، باتیں کر رہے ہیں، پھر بھی کیسا سناٹا چھایا ہوا ہے۔ چاند کی کون سی تاریخ ہے۔ اب تک چاند نہیں نکلا۔ چھالیہ کاٹتے کاٹتے عالیہ نے سب کی طرف دیکھا جمیل بھیا سب کی باتوں سے بے نیاز اپنی کرسی پر بیٹھے ایک شعر گنگنائے جارہے تھے:

مجھے اور زندگی دے کہ ہے داستاں ادھوری
مری موت سے نہ ہوگی مرے غم کی ترجمانی

جمیل بھیا آج سارا دن باہر نہیں نکلے تھے۔ آج ان کو فرصت ہی فرصت تھی۔ جیسے سارے کام ختم ہو گئے اور اب انھیں کچھ بھی نہیں کرنا ہے۔

(آنگن)

خدیجہ مستور (۱۹۲۷ء۔ ۱۹۸۲ء)

خدیجہ مستور ۱۲ دسمبر ۱۹۲۷ء میں لکھنو کے ایک متوسط خاندان میں پیدا ہوئیں۔ انہوں نے ابتدائی تعلیم لکھنو میں حاصل کی۔ ادبی ذوق انھیں ورثے میں ملا تھا۔ لٰہذا کم عمری میں ہی کہانیاں لکھنی شروع کر دیں۔ ابتدائی کہانیاں اس دور کے ادبی رسائل عالمگیر اور خیام وغیرہ میں شائع ہوئیں۔ ۱۹۵۰ء میں ان کی شادی مشہور ترقی پسند ادیب ظہیر بابر سے ہوئی اس طرح ترقی پسند تحریک اور ترقی پسند اہل قلم سے ان کا قریبی تعلق قائم ہوا۔

خدیجہ مستور نے اردو ادب کے دامن کو سنوارنے اور جذبوں کو نکھارنے میں بڑا اہم کردار ادا کیا ہے۔ ان کی تحریروں میں انسانی نفسیات اور ان کے مشاہدات کی وجہ سے بڑی گہرائی پائی جاتی ہے۔ انھوں نے معاشرے اور زندگی کے کئی اہم موضوعات پر قلم اٹھایا ہے۔ ان کے کردار معاشرے کے حقیقی افراد اور چلتے پھرتے نظر آنے والے لوگ ہیں۔ ان کے بہت سے افسانوی مجموعے اور دو ناول ہیں۔ ناول آنگن پر انہیں پاکستان کا سب بڑا ادبی انعام آدم جی ایوارڈ بھی ملا۔ اس ناول میں خدیجہ مستور کا فن اپنے عروج پر نظر آتا ہے۔ آنگن اس دور کی سرگزشت ہے جب جنگ آزادی کی تحریک زوروں پر تھی ایسے میں دو قوتیں آزادی کی اس جنگ میں اپنے محاذ پر ڈٹی ہوئی تھیں۔ ایک کانگریس اور دوسری مسلم لیگ مسلمانوں میں کسی حد تک انتشار پیدا ہو گیا اور ایک ہی خاندان کے افراد میں سے کچھ کانگریس کے اور کچھ مسلم لیگ کے ہم نوا بن گئے۔ یہی سارا ماحول اور اثرات خدیجہ مستور نے اپنے ناول میں بڑی مہارت سے پیش کیے ہیں۔

۲۶ جولائی ۱۹۸۲ء کو خدیجہ مستور کا لاہور میں انتقال ہوا لیکن ان کا فن اور ان کی لافانی تخلیقات میں آج بھی زندہ ہے۔

تصانیف: تھکے ہارے، چندروزا اور کھیل بوچھاڑ اور ٹھنڈا میٹھا پانی ان کے افسانوی مجموعے ہیں۔ جب کہ آنگن، اور زمین، ناول ہیں۔

مشق

ا۔ درج ذیل سوالات کے جواب دیں۔

الف۔ عالیہ کی اماں بڑے چچا سے کیوں متنفر تھیں؟

ب۔ تقسیم ہندوستان کے بعد کے حالات سے بڑے چچا کو کیا شکوہ تھا؟

ج۔ خدیجہ مستور نے آزادی کے اعلان کے بعد مسلمانوں کے حالات کس کامیابی کے ساتھ بیان کیے ہیں؟

د۔ مصنفہ کے مطابق بڑی چچی کا کردار کیوں قابل رحم تھا؟

و۔ بڑے چچا نے آزادی سے کیا کیا امیدیں باندھ رکھی تھیں؟

ہ۔ پاکستان بننے سے پہلے مسلمانوں کے دلوں میں کیا خدشات تھے؟

ز۔ اماں اور عالیہ کے پاکستان جانے پر باقی سب گھر والوں کا کیا ردِ عمل تھا؟

ء۔ مشرقی پنجاب میں خون کی ہولی کھیلی جا رہی تھی۔ جملے کی وضاحت کریں۔

ی۔ سبق میں چچا کا کردار ایک حساس شخص کی عکاسی کرتا ہے آپ کو مصنفہ کی تحریر کے کس حصے سے یہ واضح ہوا؟ حوالے کے ساتھ وضاحت کریں۔

۲۔ آپ کیا سمجھتے ہیں کہ قیامِ پاکستان کے اعلان کے ساتھ ہی مسلمانوں کی ایک کثیر تعداد کی پاکستان کے لیے ہجرت، مختلف خاندانوں پر کس طرح اثر انداز ہوئی؟ ناول 'آنگن' کے شامل نصاب حصے کا تعلق اس دور کی معاشرتی اور ذاتی زندگی کے ساتھ تعلق قائم کریں تاکہ واضح ہو سکے کہ آزادی کتنی بڑی نعمت ہے۔

۳۔ دوست کے نام، دسویں جماعت میں کامیابی کے ایک تہنیت نامے کی عبارت تحریر کریں اور برقی (ای میل) تشکیل دے کر دوست کو ای میل کریں۔

۴۔ اپنی سال گرہ کی تقریب میں دوستوں کو دعوت دینے کے لیے ایک دعوت نامہ تیار کریں جس میں درج ذیل باتوں کا ذکر ہو:

وقت: ۵ بجے شام — تاریخ: ۱۵ اکتوبر ۲۰۲۳ء

دن: اتوار — مقام: مکان نمبر ۵، سٹریٹ نمبر ۱، اسلام آباد

۵۔ حروف کی اقسام:

i۔ حروفِ اضافت: ایسے حروف جو ایک اسم کا تعلق دوسرے اسم سے ظاہر کریں۔ مثلاً: کا، کی کے

ii۔ حروفِ استفہام: ایسے حروف جو سوال پوچھنے کے لیے استعمال ہوں۔ مثلاً: کیا، کون، کیوں

iii۔ حروف بیان: ایسے حروف جو کسی وضاحت کے لیے استعمال کیے جائیں۔ استاد نے کہا کہ سب کھڑے ہو جاؤ۔ اس مثال میں "کہ" حرفِ بیان ہے۔

iv۔ حروف جار: وہ حروف جو کسی اسم کو فعل سے ملاتے ہیں۔ مثلاً: کتاب پر پر رکھ دو۔ اس مثال میں "پر" حرف جار ہے۔ اسی طرح کو "سے "تک نے ساتھ وغیرہ حروفِ جار ہیں۔

iv۔ حروفِ شرط: وہ حروف جو کسی شرط کے لیے استعمال ہوں۔ مثلاً: اگر محنت کروگے تو کامیابی ملے گی۔

اگر، اگرچہ، جب، جب تک، تاوقتیکہ، جوں ہی، حروف شرط ہیں۔

v۔ حروفِ ندا: کسی کو پکارنے یا آواز دینے کے لیے استعمال ہونے والے حروف کو حروفِ ندا کہتے ہیں۔

مثلاً: یااللہ! اے، اے، اجی، او، ابے وغیرہ بھی حروفِ ندا ہیں۔

vi۔ حروفِ تاسف: یہ حروف غم یا افسوس کے اظہار کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں، افسوس، حیف، وائے، ہائے، اُف، ہے ہے حروف، تاسف ہیں۔

vii۔ حروف تشبیہ: یہ حروف ایک شے کو دوسری شے کی طرح بتانے کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔

مانند، مثل، طرح، سا، جیسا، بعینہٖ، حرف تشبیہ ہیں۔

vii۔ حروفِ تحسین یا انبساط: کسی کی تعریف یا خوشی کے اظہار کے لیے بولے جانے والے حروف کو حروفِ تحسین یا حروفِ انبساط کہتے ہیں۔ مثلاً:

سبحان اللہ، شاباش، بہت خوب، واہ واہ، مرحبا، وغیرہ

viii حروفِ نفرین: نفرت یا ملامت کے اظہار کے لیے استعمال ہونے والے حروف مثلاً: تُف، لعنت، پھٹکار، ہزار لعنت، اخ تھو وغیرہ

ix۔ حروفِ تردید: وہ حروف جو دو باتوں میں سے کسی ایک کو اختیار کرنے کے موقع پر استعمال کیے جائیں۔

امیر ہو یا غریب، اچھا ہو کہ بُرا۔ خواہ سو جاؤ، خواہ کھیل لو، چاہے بیٹھ جاؤ، چاہے کھڑے رہو۔

ہو یا، ہو کہ، خواہ، چاہے حروفِ تردید ہیں۔

vi۔ حروفِ اضراب: ایک بات کو ترقی دے کر اعلیٰ کو ادنیٰ یا ادنیٰ کو اعلیٰ بنا دینے کے موقع پر استعمال ہونے والے حروف مثلاً: وہ انسان نہیں بلکہ حیوان ہے بلکہ حرفِ اضراب ہے۔

vii۔ حروفِ تنبیہ: وہ حروف جو خبردار کرنے اور ڈرانے کے لیے استعمال ہوں۔ مثلاً: خبردار، زنہار، دیکھنا، سنو وغیرہ

viii۔ حروف استعجاب: تعجب اور حیرانی کے موقع پر استعمال ہونے والے حروف۔ اللہ اللہ۔ اللہ اکبر۔ حاشاکلا۔ او ہو وغیرہ

ix حروفِ قسم: وہ حروف جو قسم کھانے کے لیے استعمال ہوں جیسے: بہ خدا، واللہ، وغیرہ

x۔ حروفِ عطف: دو اسموں یا دو جملوں کو ملانے والے حروف۔ مثلاً: اور، و، نیز وغیرہ

xi۔ حروفِ علت: کسی وجہ یا سبب کو ظاہر کرنے کے لیے استعمال ہونے والے حروف، کیوں کہ، چوں کہ، تاکہ، لہٰذا، اس لیے

xii۔ حروفِ تہنیت: کسی خوشی یا کامیابی کے موقع پر استعمال ہونے والے حروف۔ مثلاً: مبارک باد، شاباش، بہت خوب

xiii۔ حروفِ تمنا: کسی تمنا، آرزو اور خواہش کے موقع پر استعمال ہونے والے حروف۔ مثلاً: کاش کہ، کاش، اے کاش

۶۔ درج ذیل عبارت کو درست املا کا خیال رکھتے ہوئے نظر ثانی (پروف ریڈنگ) کریں اور غلط الفاظ کا املا درست کریں۔

شبنم سے بھیگی ہوئی راط بڑی روشن ہو رہی تھی۔ چاند جیسے وست آسمان پر چمق رہا تھا اور روز کی طرح آج بھی قریب کی کسی چھط پر گراموفون ریکارڈ بج رہے تھے۔ "تری گھٹری میں لاگا چور، مسافر جاگ ذرا"۔ وہ آہستہ آہستہ ٹہلنے لگی۔ کیسی اجیب سی ہالت ہو رہی تھی، جیسے سوچنے سمجھنے کی ساری سلاحیت کسی نے چھین لی ہو۔ "کیا یہ میں ہوں؟" اس نے اپنے آپ سے پوچھا اور پھر اپنی آواز سن کر ہیران رہ گئی۔۔۔۔۔

۷۔ علاماتِ اوقاف (استعجابیہ، استفہامیہ، تفصیلیہ، رابطہ، ترچھا خط، علامت شعر، علامت تخلص، علامت مصرع)۔

i۔ رابطہ: (:)

جملے یا عبارت میں وقفے سے زیادہ ٹھہراؤ کے لیے یہ علامت استعمال ہوتی ہے: مثلاً:

میری بات یاد رکھنا: محنت ہی کامیابی کی کنجی ہے

کیا خوب سودا نقد ہے: اس ہاتھ دے اُس ہاتھ لے

Ii۔ تفصیلیہ (:-)

جملے یا عبارت میں کسی بات کی تفصیل بتانے کے لیے استعمال ہوتی ہے۔ مثلاً

ورزش کے فائدے درج ذیل ہیں:-

قائد اعظم کا فرمان ہے:-

iii۔ سوالیہ یا استفہامیہ (؟)

جب کوئی بات پوچھنی یا کچھ دریافت کرنا مقصود ہو تو یہ علامت استعمال کی جاتی ہے۔ مثلاً:

آپ کا نام کیا ہے؟ قائد اعظم کس شہر میں پیدا ہوئے؟

iv۔ استعجابیہ (!)

حیرت یا حیرانی کے اظہار کے لیے یہ علامت استعمال کی جاتی ہے۔ مثلاً:

ارے! اوہ!

v۔ خطِ فاصل، ترچھا خط (/)

یہ علامت دفتری مراسلات کا حوالہ دینے کے لیے مختلف قسم کے بیانات، مسودات کے اندراجات میں متبادل اسما یا افعال کے درمیان لگائی جاتی ہے، مثلاً:

مسمی/مسماۃ، بن/بنت، اقرار کرتا ہوں/کرتی ہوں وغیرہ وغیرہ

vi۔ علامتِ مصرع، علامتِ شعر اور علامت تخلص:

شاعری لکھتے ہوئے جہاں کہیں ایک مصرع استعمال ہو وہاں علامت مصرع (ع)، جہاں پر شعر لکھا جائے وہاں علامت شعر (؎) اور جہاں شاعر اپنا شاعرانہ نام استعمال کرے اس کے اوپر علامت تخلص (ؔ) استعمال ہوتی ہے۔

۸۔ علاماتِ اوقاف (استعجابیہ، استفہامیہ، تفصیلیہ، رابطہ، ترچھا خط، علامت شعر، علامت تخلص، علامت مصرع) کے استعمال کی ایک ایک مثال لکھیں۔

سرگرمیاں

۱۔ "اور پاکستان بن گیا" کی ڈرامائی تشکیل کریں۔

۲۔ تحریک قیام پاکستان کے پس منظر اور پیش منظر کو سامنے رکھتے ہوئے مسئلہ فلسطین، مسئلہ کشمیر اور آزادی کی جدوجہد کے چیدہ چیدہ مسائل کی نشان دہی کریں اور ان کے حل کی تجاویز اپنے دیگر طالب علم ساتھیوں کے سامنے پیش کریں اور ان کی رائے بھی لیں۔

ہدایات برائے اساتذہ کرام

- طلبہ کو مضمون نویسی کے مختلف انداز تحریر (بیانیہ، مدلل، بحثی، تفصیلی و تحقیقی اور تنقیدی) کے تصور کی وضاحت کریں۔
- طلبہ کو درخواست، رسمی و غیر رسمی خطوط، دعوت نامے، تہنیت نامے کی تحریری یا برقی (ای میل) کی تشکیل کرنے کی مشق کروائیں۔

اشفاق احمد (۱۹۲۵ء-۲۰۰۴ء)

٦ ایک استاد عدالت کے کٹہرے میں

اس سبق کی تدریس کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

- تراکیب لفظی کی شناخت کر سکیں اور اس کی اہمیت کو سمجھتے ہوئے تحریر میں برجستہ استعمال کر سکیں۔
- درخواست، رسمی و غیر رسمی خطوط، دعوت نامے، تہنیت نامے کی تحریری یا برقی (ای میل) تشکیل کر سکیں۔
- عبارت کو درست تلفظ، لب و لہجہ، اتار چڑھاؤ اور ضرورت کے مطابق تاثر کے ساتھ پڑھ سکیں۔
- کسی بھی نظم یا نثر کو پڑھ کر اس کے اہم نکات کا خلاصہ لکھ سکیں۔
- مختلف ادبی شخصیات کی مرقع نگاری کر سکیں۔
- کسی بات، پیغام، کلام، نشریات، کہانی، مکالمے کو سن کر دہراتے ہوئے کمی بیشی کے ساتھ بیان کر سکیں۔
- مختلف نثری اصنافِ ادب (کہانی، داستان، افسانہ، ڈراما اور ناول) پڑھ کو ان کے ادبی اسلوب میں امتیاز کر سکیں۔
- مختلف ثقافتوں اور زبان کے اختلاط پر مبنی متن کو پڑھ سکیں اور زبان و لہجہ کے فرق کو سمجھ کر اس کے استعمال کی اہمیت سے آگاہ ہو سکیں۔

پڑھیں

علم کے بارے میں انسان ہمیشہ سرگرداں رہا ہے، اور آج کے دور میں حصولِ علم کے لیے بہت سی کوششیں صحیح، غلط، کمزور، پیچیدہ، خمیدہ صورت اختیار کرتی جا رہی ہیں۔ لیکن میں سمجھتا ہوں، یہ جو ساری کوششیں ہیں، یہ انسان کے ایک بہتر مستقبل کی نوید کے لیے یقیناً ممد و معاون ثابت ہوں گی۔

علم حاصل کرنے کے لیے جب ہم بھائی اپنے گاؤں سے لاہور آئے، تو ہمارے اباجی نے ایک گھر لے کر دیا، فلیمنگ روڈ وہاں اختر شیرانی رہتے تھے۔ میں تو چونکہ فرسٹ ائیر کا طالب علم تھا، اس لیے ان کے نام سے یا ان کے کام سے اتنا آشنا نہیں تھا، لیکن میرے بڑے بھائی ان کو جانتے تھے اور ان کی بڑی قدر و منزلت کرتے تھے۔ بہر حال جہاں ہمارے اباجی نے، اور بہت ساری مہربانیاں کی تھیں، وہاں یہ کہ ایک خانساماں بھی دیا تھا جو ہمارا کھانا پکاتا تھا۔ اس کا نام عبدل تھا۔ عبدل کو زندگی میں دو بڑے شوق تھے، ایک تو انگریزی بولنے کا، انگریزی تعلیم حاصل کرنے کا جیسے آج کل بہت زیادہ انگریزی ہی کو علم سمجھا جاتا ہے، اور انگریزی کے حصول کے لیے ہی جان لڑائی جاتی ہے۔ عبدل کو بھی اس کا بہت بڑا شوق تھا۔ دوسرے اس کو اچھی کنوینس کا بڑا چسکا تھا۔

یہ تو تھی بات جو برسبیل تذکرہ آگئی۔ میرا آج کو جو موضوع تھا وہ بتانا نہیں چاہتا تھا۔ پروفیسر صاحب یہاں آج تشریف فرما ہیں۔ جس زمانے میں روم میں لیکچرار تھا، روم یونیورسٹی میں، اور میں سب سے Youngest پروفیسر تھا۔ یونیورسٹیوں میں چھٹیاں تھیں، گرمیوں کا زمانہ تھا۔ دوپہر

کے وقت ریڈیو سٹیشن پر مجھے اردو براڈ کاسٹنگ کرنی پڑتی تھی۔ لوٹ کے آرہا تھا تو خواتین و حضرات! روم میں دوپہر کے وقت سب لوگ قیلولہ کرتے تھے۔ چار بجے تک سوتے تھے، اور روم کی سڑکیں تقریباً خالی ہوتی تھیں، اور کارپوریشن نے یہ انتظام کر رکھا تھا کہ وہ وہاں پر پانی کے حوض لگا کر سڑکیں دھوتے ہیں، اور شام تک سڑکیں ٹھنڈی بھی ہو جاتی ہیں، خوشگوار بھی ہو جاتی ہیں، صاف بھی ہو جاتی ہیں۔ تو وہ سڑکوں کو دھو رہے تھے۔ اکا دکا کوئی ٹریفک کی سواری آ جا رہی تھی۔ تو میں اپنی گاڑی چلاتا ہوا جا رہا تھا۔ میں نے دیکھا کہ گول دائرہ ہے اس کے اوپر سے میں چکر کاٹ کے آؤں گا۔ پھر میں اپنے گھر کی طرف مڑوں گا تو یہ بڑی بے ہودہ بات ہے۔ بیچ میں چلتے ہیں۔ اس وقت کون دیکھتا ہے، دوپہر کا وقت ہے۔ تو میں بیچ میں گزرا وہاں ایک سپاہی کھڑا تھا، اس نے مجھے دیکھا، اور اس نے پروا نہیں کی۔ جانے دیا کہ یہ جا رہا ہے، یہ نوجوان تو کوئی بات نہیں۔ جب میں نے دیکھا شیشے میں سے گردن گھما کے کچھ مجھے تھوڑا سا یاد پڑتا ہے۔ میں طنزاً مسکرایا۔ کچھ اپنی فیٹ (Fate) کے اوپر کچھ اپنی کامیابی کے اوپر۔ میں نے خوشی منانے کے لیے ایک مسکراہٹ کا پھول اس کی طرف پھینکا۔ جب اس نے یہ دیکھا کہ اس نے میری یہ عزت کی ہے تو اس نے سیٹی بجا کے روک لیا۔ اب وہاں پر سیٹی بجنا موت کے برابر تھی اور رکنا بھی، میں رُکا، وہ آ گیا، اور آ کے کھڑا ہو گیا۔ پہلے سلیوٹ کیا، ولایت میں رواج ہے کہ جب بھی آپ کا چالان کرتے ہیں۔ آپ کو پکڑنا ہوتا ہے تو سب سے پہلے سلیوٹ مارتے ہیں۔ تو اس نے کھڑے ہو کر سلیوٹ مارا۔ اب میں اندر تھر تھر کانپ رہا ہوں۔ شیشہ میں نے نیچے کیا تو مجھے کہنے لگا کہ آپ کا لائسنس۔ تو میں نے کہا، فرض کریں جس کے پاس اس کا لائسنس نہ ہو تو پھر وہ کیا کرے۔ اس نے کہا کوئی بات نہیں۔ میں آپ کا چالان کر دیتا ہوں۔ پرچی پھاڑ کے تو یہ آپ لے جائیں اور جرمانہ جمع کرا دیں۔ میں تو ایسے ہی مانگ رہا تھا۔ میں نے کہا، مجھ سے غلطی ہو گئی۔ اس نے مسکراتے ہوئے کہا غلطی ہو گئی تھی تو چلے جاتے۔ اس نے بغیر مجھ سے پوچھے کاپی نکالی اور چالان کر دیا، اور چالان بھی بڑا سخت، بارہ آنے جرمانہ۔ میں نے پرچی لے کر کہا: میں اس کو لے کر کیا کروں؟ اس نے کہا: اپنے کسی بھی قریبی ڈاکخانے میں منی آرڈر کی کھڑکی پر جمع کروا دیں، بس وہاں کچہری نہیں جانا پڑتا، دھکے نہیں کھانے پڑتے۔ بس آپ کا جرمانہ ہو گیا، آپ ڈاکخانے میں دیں گے تو بس۔

میں جب چالان کروا کے گھر آ گیا تو میں نے اپنی لینڈ لیڈی سے کہا، میرا چالان ہو گیا ہے۔ کہنے لگی، آپ کا۔ میں نے کہا، میں کیا کروں۔ اب ان کو ایسے لگا کہ ہمارے گھر میں جیسے ایک بڑا مجرم رہتا ہے۔ اور اس نے اپنی بیٹی کو بتایا کہ پروفیسر کا چالان ہو گیا ہے۔ بڑھی مائی تھی۔ ان کی ایک ساس تھی اس کو بھی بتایا، سارے روتے ہوئے میرے پاس آ گئے۔ میں بڑا ڈرا کہ یا اللہ یہ کیا۔ کہنے لگے تو شریف آدمی لگتا تھا۔ اچھے خاندان کا اچھے گھر کا لگتا تھا۔ ہم نے تجھے یہ کرائے پر کمرا بھی دیا ہوا ہے لیکن تو ایسا نہیں نکلا خیر گھر خالی کرنے کو تو نہیں کہا۔ جو بڑھی مائی تھی، ان کی ساس، اس نے کہا۔ ہو تو گیا ہے برخوردار چالان لیکن کسی سے ذکر نہ کرنا۔ محلے داری کا معاملہ ہے۔ اگر ان کو پتا چل گیا کہ اس کا چالان ہو گیا ہے تو بڑی رسوائی ہو گی۔ لوگوں کو پتا چلے گا۔ میں نے کہا، نہیں میں پتا نہیں لگنے دوں گا۔ میری لاابالی طبیعت، 26 سال کی عمر تھی۔ چالان جیب میں ڈالا اور نکل گیا دوستوں سے ملنے، اگلے دن مجھے جمع کروانا تھا، بھول گیا۔ پھر سارا دن گزر گیا۔ اس سے اگلے دن مجھے اصولاً جمع کروا دینا چاہیے تھا تو میں نے کپڑے بدلے تو اس پرانے کوٹ میں رہ گیا۔

شام کے وقت مجھے ایک تار ملا کہ محترمی جناب پروفیسر صاحب فلاں فلاں مقام پر فلاں چوراہے پر آپ کا چالان کر دیا گیا تھا، فلاں سپاہی نے۔ یہ نمبر ہے آپ کے چالان کا۔ آپ نے ابھی تک کہیں بھی چالان کے پیسے جمع نہیں کروائے یہ بڑی حکم عدولی ہے۔ مہربانی فرما کر اسے جمع کروا دیں۔ آپ کی بڑی مہربانی ہو گی۔ تقریباً 21 روپے کا تار تھا۔ میں نے سارے لفظ گنے۔ مجھ سے یہ کوتاہی ہوئی کہ میں پھر بھول گیا، اور ان کا پھر ایک تار آیا۔ اگر آپ اب بھی جمع نہیں کروائیں گے تو پھر ہمیں افسوس ہے کہ کورٹ میں پیش کر دینا پڑے گا۔ مجھ سے کوتاہی ہوئی، نہیں جا سکا۔ تب مجھے کورٹ

سے ایک سمن آگیا کہ فلاں تاریخ کو عدالت میں پیش ہو جائیں،اور یہ جو آپ نے حکم عدولی کی ہے قانون توڑا ہے،اس کے بارے میں آپ سے پورا انصاف کیا جائے گا۔اب میں ڈرا،میری سٹی گم ہوئی۔پریشان ہوا کہ اب میں دیارِ غیر میں ہوں۔کوئی میرا حامی و ناصر مددگار نہیں ہے۔میں کس کو اپنا والی بناؤں گا۔میرا ڈاکٹر تھا۔ڈاکٹر بالدی اس کا نام تھا،نوجوان تھا۔میں نے اس سے کہا،مجھے وکیل کر دو۔اس نے کہا،میرا ایک دوست ہے،اس کے پاس چلتے ہیں۔اس کے پاس گئے۔اس نے کہا،یہ تھوڑا سا پیچیدہ ہو جائے گا۔اگر میں گیا عدالت میں۔بہتر یہی ہے پروفیسر صاحب جائیں،اور جا کر خود Face کریں عدالت کی خدمت میں یہ عرض کریں کہ میں چونکہ اس قانون کو ٹھیک طرح سے نہیں جانتا تھا۔میں یہاں پر ایک غیر ملکی ہوں تو مجھے معافی دی جائے۔میں ایسا آئندہ نہیں کروں گا۔

میں نے کہا ٹھیک ہے۔چنانچہ میں ڈرتا چلا گیا۔اگر آپ کو روم جانے کا اتفاق ہو تو ''پیلس آف دی جسٹس''Palace of Justice وہ رومن زمانے کا بہت بڑا وسیع و عریض ہے،اسے تلاش کرتے کرتے ہم اپنے جج صاحب کے کمرے میں پہنچے تو وہ وہاں تشریف فرما تھے۔مجھے ترتیب کے ساتھ بلایا گیا تو میں چلا گیا۔اب بالکل میرے بدن میں روح نہیں ہے،اور میں خوفزدہ ہوں،اور کانپنے کی بھی مجھ میں جرأت نہیں۔اس لیے کہ تشنج جیسی کیفیت ہو گئی تھی،انھوں نے حکم دیا،آپ کھڑے ہوں اس کٹہرے کے اندر۔اب عدالت نے مجھ سے پوچھا کہ آپ کا چالان ہوا تھا اور آپ کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ آپ یہ بارہ آنے ڈاک خانے میں جمع کروائیں،کیوں نہیں کروائے؟ میں نے کہا،جی مجھ سے کوتاہی ہوئی،مجھے کروانے چاہییں تھے،لیکن میں۔۔۔۔اس نے کہا،کتنا وقت عملے کا ضائع ہوا۔کتنا پولیس کا ہوا،اب کتنا ''جسٹیک کا'' ہوا(جسٹس عدالت کا ہو رہا ہے)اور آپ کو اس بات کا احساس ہونا چاہیے تھا۔ہم اس کے بارے میں آپ کو کڑی سزا دیں گے۔میں نے کہا،میں یہاں پر ایک فارنر ہوں۔پردیسی ہوں۔جیسا ہمارا بہانہ ہوتا ہے،میں کچھ زیادہ آداب نہیں سمجھتا۔قانون سے میں واقف نہیں ہوں تو میرے پر مہربانی فرمائیں۔انھوں نے کہا،آپ زبان تو ٹھیک ٹھاک بولتے ہیں۔وضاحت کر رہے ہیں۔آپ کیا کرتے ہیں تو میں چپ کر کے کھڑا رہا۔پھر انھوں نے پوچھا کہ عدالت آپ سے پوچھتی ہے کہ آپ کون ہیں اور آپ کا پیشہ کیا ہے؟ میں نے کہا،میں ایک ٹیچر ہوں۔پروفیسر ہوں۔روم یونیورسٹی میں۔تو وہ جج صاحب کرسی کو سائیڈ پر کر کے کھڑا ہو گیا اور اس نے اعلان کیا:

Teacher in the Court, teacher in the Court. جیسے اعلان کیا جاتا ہے،اور وہ سارے اُٹھ کھڑے ہو گئے۔منشی،تھانیدار،عمل دار جتنے بھی تھے،اور اس نے حکم دیا کہ .Chair should be brought for the teacher .A teacher has come to the court

اب وہ کٹہرا چھوٹا سا،میں اس کو پکڑ کر کھڑا ہوں۔وہ کرسی لے آئے۔حکم ہوا کہ تو Teacher ہے،کھڑا نہیں رہ سکتا۔جج نے کہا کہ اے معزز استاد! اے دنیا کو علم عطا کرنے والے استاد! اے محترم ترین انسان!!! آپ نے ہی ہم کو عدالت،اور عدل کا حکم دیا ہے،اور آپ ہی نے ہم کو یہ علم پڑھایا ہے اور آپ ہی کی بدولت ہم اس جگہ پر براجمان ہیں۔اس لیے ہم آپ کے فرمان کے مطابق مجبور ہیں۔عدالت نے جو ضابطہ قائم کیا ہے،اس کے تحت آپ کو چیک کریں،باوجود اس کے کہ ہمیں اس بات کی شرمندگی ہے اور ہم بے حد افسردہ ہیں کہ ہم ایک استاد کو جس سے محترم،اور کوئی نہیں ہوتا،اپنی عدالت میں ٹرائل کر رہے ہیں اور یہ کسی بھی جج کے لیے انتہائی تکلیف دہ موقع ہے کہ کورٹ میں کٹہرے میں ایک استاد مکرم ہو اور اس کا Trial کیا جائے۔ اب میں شرمندہ اپنی جگہ پر،یا اللہ!! یہ کیا شروع ہو رہا ہے؟ میں نے کہا: حضور! جو بھی آپ کا قانون ہے،جیسے کیسے بھی آپ کا ضابطہ ہے،اس کے مطابق کریں،میں حاضر ہوں۔تو انھوں نے کہا: ہم نہایت شرمندگی کے ساتھ،اور نہایت دکھ کے ساتھ اور گہرے اَلم کے ساتھ آپ کو ڈبل جرمانہ کرتے ہیں۔ڈیڑھ روپیہ ہو گیا۔جب میں کرسی سے اٹھ کے کٹہرے میں سے نکل کر شرمندہ،باہر نکلنے کی کوششیں کر رہا تھا۔وہ جو جج،اس کا عملہ تھا،اس کے منشی

تھے،وہ سارے جناب میرے پیچھے پیچھے (A teacher in the court) جارہے تھے کہ ہم احترام فائقہ کے ساتھ آپ کو رخصت کرتے ہیں۔ میں کہوں، میری جان چھوڑیں۔ یہ باہر نکل کر میرے ساتھ کیا کریں گے۔ آگے تک میری موٹر تک مجھے چھوڑ کے آئے۔ جب تک میں وہاں سے سٹارٹ نہیں ہو گیا، وہ عملہ وہاں پر ایسے ہی کھڑا تھا۔ اب میں لوٹ کے آیا تو میں سمجھا یااللہ ! میں بڑا معزز آدمی ہوں، اور محلے والوں کو بھی آکر بتایا کہ میں ایسے گیا تھا، اور وہاں یہ یہ ہوا۔ وہ بھی جناب، اور میری جو لینڈ لیڈی تھی، وہ بھی بڑی خوشی کے ساتھ محلے میں چوڑی ہو کے گھوم رہی تھی کہ دیکھو ہمارا یہ ٹیچر گیا، اور کورٹ نے اتنی عزت کی۔ اس کی عزت افزائی ہوئی تو میں یہ سمجھا کہ اس کے ساتھ ساتھ میری تنخواہ میں بھی اضافہ ہو گا۔ دیسی آدمی جو ہے نا وہ چاہے ٹیچر بھی ہو وہ گریڈ کا ضرور سوچے گا۔ کتنی بھی آپ عزت دے دیں، کتنا بھی احترام دے دیں، وہ پھر بھی ضرور سوچے گا کہ مجھے کہیں سے چار پیسے بھی ملیں گے کہ نہیں، میں نے اپنے ریکٹر سے پوچھا، تو اس نے کہا، نہیں تنخواہ یہاں پروفیسر کی اتنی ہی ہے جتنی تمھارے پاکستان میں ہے۔ وہ کوئی مالی طور پر اتنے بڑے نہیں ہیں، لیکن عزت کے اعتبار سے بہت بڑے ہیں۔ رتبہ ان کا بہت زیادہ ہے، اور کوئی شخص یہاں کوئی بیوروکریٹ ہو، یہاں کوئی جج ہو۔ آپ نے دیکھ ہی لیا ہے۔ یہاں کا تاجر ہو، یہاں کا فیوڈل لارڈ ہو، وہ استاد کے رتبے کے پیچھے اسی طرح چلتا ہے، جیسے روم کے دنوں میں غلام اپنے آقا کے پیچھے پیچھے چلتے تھے۔ یہی ان کا کمال ہے کہ مالی طور پر کمتر ہیں لیکن رتبے کے اعتبار سے بہت اونچے ہیں جیسے سقراط جو تھا، وہ اپنے کھنڈروں میں، اور فورم میں کھڑا ہو کے ننگے پاؤں بات کرتا تھا، لیکن اس کا احترام تھا۔ وہ کوئی امیر آدمی نہیں تھا، میرا باس کہا کرتا تھا: You have changed your profession for handful silver

(زاویہ)

اشفاق احمد (۱۹۲۵ء۔ ۲۰۰۴ء)

اشفاق احمد کا اصلی نام اشفاق احمد خان تھا۔ آپ ۲۲۔ اگست ۱۹۲۵ء کو ضلع فیروز پور کی تحصیل مکتی سر میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد محمد خان حیوانات کے معالج تھے اور بسلسلہٗ ملازمت ضلع ہوشیار پور کے قصبے خان پور سے ہجرت کر کے مکتی سر میں آباد ہو گئے تھے۔ اشفاق احمد نے تعلیم یافتہ اور پُر آسائش گھرانے میں آنکھ کھولی۔ ایف۔ اے تک فیروز پور سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد گورنمنٹ کالج لاہور سے بی۔ اے اور ایم۔ اے کے امتحانات پاس کیے۔ اشفاق احمد بحیثیت پروفیسر دیال سنگھ کالج لاہور، روم یونیورسٹی اٹلی اور پنجاب یونیورسٹی لاہور میں خدمات انجام دیتے رہے۔ ۱۹۶۷ء میں انھوں نے بحیثیت ڈائریکٹر مرکزی اردو بورڈ میں منصبی فرائض سنبھال لیے اور ادارے کو ترقی دے کر بام عروج تک پہنچایا۔

اشفاق احمد بیسویں صدی کے ادبی افق پر افسانہ نگار، ڈرامہ نویس، سفر نامہ نگار، نقاد، فیچر نگار، مترجم، محقق، شاعر، فلسفی اور دانشور کی حیثیت سے ابھرتے اور بیشتر حیثیتوں میں شہرت اور کامیابی کی بلندیوں کو چھوتے دکھائی دیتے ہیں۔ وہ بنیادی طور پر قصّہ گو ادیب اور کہانی نویس تھے۔ ان کی مختلف النوع تخلیقی جہات میں کہانی کی مختلف اشکال ظہور کرتی ہیں۔ ان کی قصّہ گوئی اور جادو بیانی کا مظہر ان کا مقبول ٹیلی ویژن پروگرام ''زاویہ'' تھا جس میں ان کی بصیرت افروز گفتگو نوجوانوں کی راہنمائی کا فریضہ انجام دیتی۔ انھوں نے پچاس کے قریب کتابیں تصنیف کیں جو ان کے سہل، رواں اور بے تکلف اندازِ بیان کی عکاس ہیں۔ ان کا لہجہ دھیما اور مٹھاس سے بھرپور ہے۔ اشفاق احمد کے دل میں عوام الناس کو سنوارنے کا جذبہ موجزن تھا جو ''زاویہ'' میں بھی جھلکتا دکھائی دیتا ہے ان کے ریڈیائی فیچر ''تلقین شاہ'' کی شہرت پاکستان کی جغرافیائی حدود سے نکل کر یورپ اور امریکا تک پھیل گئی۔ انھیں حکومتِ پاکستان کی جانب سے مارچ ۲۰۰۳ء میں قومی اعزاز ''ستارۂ امتیاز'' اور ۲۰۰۶ء میں ''ہلالِ امتیاز'' سے نوازا گیا۔

معروف تصانیف:۔ ایک محبت سو افسانے۔ سفر مینا۔ توتا کہانی۔ من چلے کا سودا۔ حیرت کدہ۔ ننگے پاؤں۔ تلقین شاہ زاویہ

مشق

۱۔ اشفاق احمد کے معروف ریڈیائی فیچر پروگرام "تلقین شاہ" کا کوئی سے پروگرام سنیں اور اُس میں موجود پیغام، کہانی، مکالموں کو سُن کر انھیں دوہراتے ہوئے کمی بیشی کے ساتھ اپنے ساتھی طلبہ کے سامنے بیان کریں۔

۲۔ "ایک استاد عدالت کے کٹہرے میں" ایک ایسا متن ہے جس میں اشفاق احمد نے یورپ کے ایک ملک اٹلی کی تہذیب و ثقافت اور روایات کو اردو انگریزی زبانوں کے اختلاط سے خوب صورت انداز میں تحریر کیا ہے اور وہاں کی ثقافت اور روایات کے حوالے سے استاد کے احترام کو اجاگر کیا ہے۔ اس سے نہ صرف ہم انگریزی، اردو زبانوں کے اختلاط پر مبنی اس تحریر کو پڑھ کر ایک نئے لب و لہجے سے روشناس ہوتے ہیں بلکہ اس کے استعمال کی اہمیت سے بھی آگاہ ہو جاتے ہیں۔ انگریزی، اردو کے اختلاط پر مبنی اس تحریر کو پڑھتے ہوئے طلبہ اپنی تہذیب و ثقافت اور روم کے حوالے سے، استاد کے احترام کا موازنہ کریں اور اپنی رائے دیں۔

۳۔ درج ذیل عبارت کو درست تلفظ، لب و لہجہ، اتار چڑھاؤ اور تاثر برقرار رکھتے ہوئے پڑھیں۔

"علالت کے دوران میرا دل زیادہ نرم ہو جاتا ہے۔ بخار کی حالت میں کوئی ناول پڑھتے وقت بھی بعض اوقات میری آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں۔ صحت یاب ہو کر مجھے اپنی کمزوری پر ہنسی آتی ہے۔ بدقسمتی کہ انھی دنوں مجھے خفیف سا انفلوئنزا ہوا۔ مہلک نہ تھا، بہت تکلیف دہ بھی نہ تھا، تاہم گزشتہ زندگی کے تمام چھوٹے چھوٹے گناہ، گناہِ کبیرہ بن کر نظر آنے لگے۔ شام کے وقت میبل کچھ پھول لے کر آئی۔ خیریت پوچھی، دوا پلائی میرے آنسو ٹپ ٹپ گرنے لگے۔ میں نے کہا "میبل! مجھے خدا کے لیے معاف کر دو۔ پچھلے ہفتے جو تین کتابیں تم مجھے دے گئی تھیں۔ ان سے متعلق میں تم سے کتنی بحث کرتا رہا ہوں لیکن میں نے ان کا ایک لفظ بھی نہیں پڑھا۔" "میں نے کوئی نہ کوئی بات ایسی ضرور کہی ہو گی جس سے میرا پول تم پر کھل گیا ہو گا" کہنے لگی "نہیں تو" ----اس کے بعد میری گزشتہ فریب کاری پر وہ اور میں ہنستے رہے۔ میبل رخصت ہونے لگی تو بولی "تو وہ کتابیں میں لیتی جاؤں ؟" میں نے کہا "ایک تائب انسان کو اپنی اصلاح کا موقع تو دو۔ میں نے ان کتابوں کو اب تک نہیں پڑھا لیکن اب میں انھیں پڑھنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ اس کے چلے جانے کے بعد میں نے ان کتابوں کو پہلی دفعہ کھولا۔ تینوں میں سے ایک کے ورق نہ کٹے تھے۔ میبل نے بھی انھیں ابھی تک نہ پڑھا تھا۔ مجھے مرد اور عورت دونوں کی برابری میں کوئی شک باقی نہ رہا۔"

۴۔ درج ذیل تراکیب لفظی کو استعمال کرتے ہوئے جملے تحریر کریں۔

فریب کاری، تائب انسان، پول کھلنا، گناہ کبیرہ، فلاں فلاں

۵۔ اس سبق کے اہم نکات کا خلاصہ تحریر کریں۔

۶۔ حاصلات تعلم کی بنیاد پر بننے والے ماڈل پرچہ جات میں درپیش مشکلات کی وضاحت کے حوالے سے، وفاقی تعلیمی بورڈ اسلام آباد کے ڈائریکٹر ریسرچ؛ جناب مرزا علی کے نام ایک درخواست لکھیں اور انھیں director-aq@fbise.edu.pk کے ایڈریس پر ای میل کریں۔

❖ مرقع نگاری، افسانہ، ڈراما اور ناول کے متعلق گزشتہ اسباق میں آپ پڑھ چکے ہیں۔ "داستان" اصنافِ نثر کی وہ طویل صنف ہے جس میں مافوق الفطرت عناصر اور دوسرے لوازمات کی مدد سے قصہ در قصہ یا داستان در داستان کہانی بیان کی جاتی ہے فی زمانہ داستان گوئی کی روایت تقریباً

ناپید ہو چکی ہے۔ "کہانی" سننے اور سنانے کا رواج قدیم زمانے سے چلا آرہا ہے۔ ہم میں سے اکثر نے بچپن کے دنوں اپنے گھر کے بوڑھے، بوڑھیوں سے کوئی نہ کوئی ضرور سنی ہو گی۔ بعض کہانیاں دلچسپ ہونے کے ساتھ ساتھ سبق آموز بھی ہوتی ہیں۔ کہانی لکھنے کے لیے عموماً کوئی واقع ہوتا ہے۔ کہانی کا کوئی نہ کوئی اور اخلاقی نتیجہ ہوتا ہے۔

۷۔ درسی کتاب میں شامل نیا قانون (افسانہ)، دہلیز (ڈراما)، اور پاکستان بن گیا (ناول)، ایک استاد عدالت کے کٹہرے میں (آپ بیتی) کو توجہ سے پڑھتے ہوئے ان کے ادبی اسلوب میں امتیاز کرنے کی مشق کریں۔

۸۔ اپنے قریبی دوست کا شخصی مرقع تحریر کریں جس میں اس کی پسند ناپسند، روزمرہ کے معمولات، عادات اور اطوار وغیرہ کا ہلکے پھلکے انداز میں تذکرہ ہو۔

سرگرمی

۱۔ لائبریری سے بانو قدسیہ کا لکھا ہوا کوئی ایک ناول جاری کروائیں اور اسے پڑھتے ہوئے ان کے اسلوب اور اشفاق احمد کے اسلوب میں امتیاز کرنے کی مشق کریں، جہاں مشکل پیش آئے اپنے استادِ محترم سے رہنمائی حاصل کریں۔

ہدایات برائے اساتذہ کرام

طلبہ کو مختلف اصناف نثر (کہانی، داستان، افسانہ، ڈراما، ناول) کا تعارف کراتے ہوئے ان کے ادبی اسلوب میں امتیاز کرنے کی تکنیک سے آگاہ کریں تاکہ وہ شامل نصاب افسانوں "نیا قانون" اور حمار بج کا کفن پڑھ کر ان کے ادبی اسلوب میں عملی طور پر امتیاز کرنے کی مشق کر سکیں۔

مرزا اسداللہ خان غالبؔ (۱۷۹۷ء۔۱۸۶۹ء)

۷ مکاتیبِ غالبؔ

اس سبق کی تدریس کے بعد طلبہ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

- مختلف تحاریر (روداد، مضامین، خطوط، اداریے، خبریں، رپورٹ، اشتہار وغیرہ) پڑھ کر ان کے مقاصد کی ترجمانی کر سکیں۔
- مختلف مصنفین / شعرا کے ادب پارے پڑھ کر اس زمانے کی تاریخ سے واقف ہوتے ہوئے عصری تناظر میں اس کا تجزیہ و تبصرہ کر سکیں۔
- کسی بھی نثر پارے / نظم میں موضوعات کی شناخت کرتے ہوئے مصنف اور قارئین کے نقطہ نظر کے ساتھ اس کی وضاحت کے لیے اپنی رائے دے سکیں۔
- منظوم یا منثور کسی بھی دو اصنافِ ادب یا اقتباسات کے درمیان موازنہ کرتے ہوئے تبصرہ کر سکیں۔ (اصناف، موضوعات، پیش کش، ادبی محاسن، مصنف کا نقطہ نظر، زبان و بیان کا انتخاب اور قارئین پر اثرات کے لحاظ سے)
- ضرورت کے مطابق متعلقہ مواد کی فراہمی کے لیے مختلف فارم مثلاً: دفتری، صحافتی، عدالتی دستاویزیں پر کر سکیں۔
- عبارت پڑھتے ہوئے تمام علامات اوقاف کا لحاظ رکھ سکیں۔
- مرکب تام اور مرکب ناقص کے فرق کو سمجھتے ہوئے تحریر میں استعمال کر سکیں۔
- مرکب مصادر بنا سکیں اور استعمال کر سکیں۔

پڑھیں

منشی ہر گوپال تفتہ

صاحب!

تم جانتے ہو کہ یہ معاملہ کیا ہے اور کیا واقعہ ہوا؟ وہ ایک جنم تھا کہ جس میں ہم تم باہم دوست تھے اور طرح طرح کے ہم میں تم میں معاملات مہر و محبت در پیش آئے۔ شعر کہے، دیوان جمع کیے۔ اسی زمانے میں ایک بزرگ تھے کہ وہ ہمارے تمھارے دوست دلی تھے اور منشی نبی بخش ان کا نام اور حقیر تخلص تھا۔ ناگاہ نہ وہ زمانہ رہا، نہ وہ معاملات، نہ وہ اختلاط، نہ وہ انبساط۔ بعد چند مدت کے پھر دوسرا جنم ہم کو ملا۔ اگرچہ صورت اس جنم کی بعینہ مثل پہلے جنم کے ہے۔ یعنی ایک خط میں نے منشی نبی بخش صاحب کو بھیجا، اس کا جواب مجھ کو آیا اور ایک خط تمھارا کہ تم بھی موسوم بہ منشی ہر گوپال اور متخلص بہ تفتہ ہو، آج آیا اور میں جس شہر میں ہوں اس کا نام بھی دلّی اور اس محلے کا نام بلی ماروں کا محلّہ ہے لیکن ایک دوست اس جنم کے دوستوں میں نہیں پایا جاتا۔ واللہ ڈھونڈنے کو مسلمان اس شہر میں نہیں ملتا۔ کیا امیر، کیا غریب، کیا اہل حرفہ، اگر کچھ ہیں تو باہر کے ہیں۔ ہنود البتہ کچھ کچھ آباد ہو گئے ہیں۔

اب پوچھو تو کیوں کر مسکن قدیم میں بیٹھا رہا؟ صاحب بندہ میں حکیم محمد حسن خاں مرحوم کے مکان میں نو دس برس سے کرایہ کو رہتا ہوں اور یہاں قریب کیا دیوار بہ دیوار ہیں، گھر حکیموں کے اور وہ نوکر ہیں راجا اندر سنگھ بہادر والی پٹیالہ کے۔ راجا صاحب نے صاحبان عالی شان سے عہد لیا تھا کہ بر وقت غارت دہلی یہ لوگ بچے رہیں۔ چنانچہ بعد فتح، راجا کے سپاہی یہاں آ بیٹھے اور یہ کوچہ محفوظ رہا۔ ورنہ میں کہاں اور یہ شہر کہاں؟ مبالغہ نہ جاننا، امیر،

غریب سب نکل گئے۔ جو رہ گئے تھے نکالے گئے۔ جاگیر دار، پنشن دار، دولت مند، اہل حرفہ، کوئی بھی نہیں ہے۔ مفصل حالات لکھتے ہوئے ڈرتا ہوں۔ ملازمان قلعہ پر شدت ہے۔ بازپرس اور دارو گیر میں مبتلا ہیں۔ میں غریب شاعر، دس برس سے تاریخ لکھنے اور شعر کی اصلاح دینے پر متعلق ہوا ہوں۔ خواہ اس کو نوکری سمجھو، خواہی مزدوری جانو۔ اس فتنہ و آشوب میں کسی مصلحت میں میں نے دخل نہیں دیا۔ صرف اشعار کی خدمت بجالاتا رہا اور نظر اپنی بے گناہی پر، شہر سے نکل نہیں گیا۔ میرا شہر میں ہونا حکام کو معلوم ہے مگر چونکہ میری طرف بادشاہی دفتر میں سے یا مخبروں کے بیان سے کوئی بات نہیں پائی گئی لہٰذا طلبی نہیں ہوئی۔ ورنہ جہاں بڑے بڑے جاگیر دار بلائے ہوئے یا پکڑے ہوئے آئے ہیں، میری کیا حقیقت تھی۔ غرض اپنے مکان میں بیٹھا ہوں۔ دروازہ سے باہر نہیں نکل سکتا۔ سوار ہونا اور کہیں جانا تو بہت بڑی بات ہے۔ رہا یہ کہ کوئی میرے پاس آوے، شہر میں ہے کون؟ گھر کے گھر بے چراغ پڑے ہیں۔ جرنیلی بندوبست یازدہم مئی سے آج تک یعنی شنبہ پنجم دسمبر ۱۸۵۷ء تک بدستور ہے۔ کچھ نیک و بد کا حال معلوم نہیں، بلکہ ہنوز ایسے امور کی طرف حکام کو توجہ بھی نہیں۔ دیکھیے، انجام کار کیا ہوتا ہے۔ یہاں سے باہر اندر کوئی بغیر ٹکٹ کے آنے جانے نہیں پاتا۔ تم زنہار یہاں کا ارادہ نہ کرنا۔ ابھی دیکھنا چاہیے مسلمانوں کی آبادی کا حکم ہوتا ہے یا نہیں۔ بہر حال منشی صاحب کو میرا سلام کہنا اور یہ خط دکھا دینا۔ اس وقت تمہارا خط پہنچا اور اسی وقت میں نے یہ خط لکھ کر ڈاک کے ہرکارے کو دے دیا۔

شنبہ ۵ دسمبر ۱۸۵۷ء (غالب)

علاؤالدین احمد خاں علائی

صاحب! میری داستان سنیے۔ پنشن بے کم و کاست جاری ہوا۔ زر مجتمعہ سہ سالہ یکمشت مل گیا۔ بعد ادائے حقوق چار سو روپے دینے باقی رہے اور ستاسی روپے گیارہ آنے مجھے بچے۔ مئی کا مہینہ بدستور ملا، آخر جون میں حکم ہو گیا کہ پنشن دار علی العموم ششماہی پایا کریں۔ ماہ بماہ و پنشن تقسیم نہ ہوا کرے۔

میں دس بارہ برس سے حکیم محمد حسن خان کی حویلی میں رہتا ہوں۔ اب وہ حویلی غلام اللہ خان نے مول لے لی۔ آخر جون میں مجھ سے کہا کہ حویلی خالی کر دو۔ اب مجھے فکر پڑی کہ کہیں دو حویلیاں قریب، ایسی ملیں کہ ایک محل سرا اور ایک دیوان خانہ ہو۔ نہ ملیں۔ ناچار یہ چاہا کہ بلی ماروں میں ایک مکان ایسا ملے کہ جس میں جا رہوں، نہ ملا۔ تمھاری چھوٹی پھوپھی نے بے کس نوازی کی، کڑوڑا والی حویلی مجھ کو رہنے کو دی۔ ہرچند وہ رعایت مرعی نہ رہی کہ محل سرا سے قریب ہو۔ مگر خیر، بہت دور بھی نہیں۔ کل یا پرسوں وہاں جا رہوں گا۔ ایک پاؤں زمین پر ہے، ایک پاؤں رکاب میں۔ توشے کا وہ حال، گوشے کی یہ صورت۔

کل شنبہ ۱۷۔ ذی الحجہ کی اور ۷ جولائی کی، پہر دن چڑھے تمھارا خط پہنچا۔ دو گھڑی بعد سنا گیا کہ امین الدین صاحب نے اپنی کوٹھی میں نزول اجلال کیا۔ پہر دن رہے، از راہ مہربانی ناگاہ میرے پاس تشریف لائے۔ میں نے ان کو ڈبلا اور افسردہ پایا۔ دل کڑھا۔ علی حسین خاں بھی آیا، اس سے بھی ملا۔ میں نے تمھیں پوچھا کہ وہ کیوں نہیں آئے۔ بھائی صاحب بولے کہ جب میں یہاں آیا تو کوئی وہاں بھی تو رہے اور اس سے علاوہ وہ اپنے بیٹے کو بہت چاہتے ہیں۔ میں نے کہا کہ اتنا ہی جتنا تم اس کو چاہتے تھے؟ ہنسنے لگے۔ غرض کہ میں نے بظاہر اُن کو تم سے اچھا پایا۔ آگے تم لوگوں کے دلوں کا مالک اللہ ہے۔

نگاشتہ درداں داشتہ یک شنبہ بین الظہر والعصر

۱۸۔ ذی الحجہ ۱۲۷۶ھ (۸۔ جولائی ۱۸۶۰ء) راقم، غالب

(مکاتیبِ غالب، مرتبہ: ڈاکٹر خلیق انجم)

مرزا اسداللہ خان غالبؔ (۱۷۹۷ء۔۱۸۶۹ء)

مرزا اسداللہ خان غالب ۲۷ دسمبر ۱۷۹۷ء میں آگرہ کے ایک معزز گھرانے میں پیدا ہوئے۔ جب ان کے والد مرزا عبداللہ بیگ خاں کی وفات ہوئی تو غالب کی عمر فقط پانچ سال تھی۔ اس کے بعد ان کے چچا مرزا نصر اللہ بیگ خان نے انھیں اپنی نگرانی میں لے لیا۔ مرزا غالب کے اساتذہ میں مشہور مدرسین نظیر اکبر آبادی اور مولوی محمد معظم کے نام لیے جاتے ہیں۔ انھیں اپنے عہد کے مروجہ علوم مثلاً منطق، فلسفہ، طب، علم ہیئت، صرف و نحو اور علم عروض وغیرہ سے واقفیت حاصل تھی۔ غالبؔ نے شاعری اور نثر دونوں میں طبع آزمائی کی ہے اور شہرت اور ناموری کی بلندیوں کو چھوا ہے۔ ان کی نمایاں ترین صفت ان کی انفرادیت ہے جس نے ان کی نظم و نثر کو جدت سے ہم آہنگ کیا ہے۔ خطوطِ غالب اُردو کے نثری سرمائے میں نہایت قدر و منزلت کے حامل ہیں۔ جنھوں نے مقفیٰ اور مسجع نثر کے مزاج کو تبدیل کرنے میں اہم کردار ادا کیا اور سادہ نویسی کو رواج دے کر نثر کو ایک نئی راہ پر گامزن کر دیا۔ سہل اور رواں اسلوبِ بیان، مکالمہ نویسی، بے تکلف اندازِ تکلم، سادگی و پرکاری، شوخی و ظرافت اور القاب و آداب کا اختصار ان کے خطوط کی نمایاں ترین خصوصیات ہیں۔ ان کے علاوہ یہ خطوط عصری دستاویز کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس عہد کی سچی تصاویر خطوطِ غالب میں جا بجا بکھری پڑی ہیں۔ یہی خطوط ہیں جو اردو ادب کی کئی اصناف کا موجب بنے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ غالب شاعری میں انفرادی حیثیت کے حامل ہیں تو نثر میں بھی وہ منفرد مقام رکھتے ہیں۔

مشق

۱۔ درج ذیل الفاظ میں سے درست جوابات منتخب کیجیے۔

۱۔ یہاں (دہلی) سے باہر اندر کوئی بغیر ـــــــــــــ کے آنے جانے نہیں پاتا۔

الف۔ سواری　　ب۔ ٹکٹ　　ج۔ اجازت　　د۔ رکاوٹ

۲۔ مجرم ـــــــــــــ پاتے ہیں۔

الف۔ اقامت　　ب۔ اجازت　　ج۔ سیاست　　د۔ ریاضت

۳۔ غالب کتنے برس سے تاریخ لکھنے پر متعلق تھے۔

الف۔ نو　　ب۔ دس　　ج۔ گیارہ　　د۔ بارہ

۴۔ گھر کے گھر ـــــــــــــ پڑے ہیں۔

الف۔ بے کواڑ　　ب۔ بے چراغ　　ج۔ ویران　　د۔ خالی

۵۔ ـــــــــــــ بے کم و کاست جاری ہوا۔

الف۔ پنشن　　ب۔ حکم　　ج۔ سخن　　د۔ چالان

۶۔ ایک پاؤں زمین پر ہے، ایک پاؤں ـــــــــــــ میں

الف۔ رکاب　　ب۔ طناب　　ج۔ سراب　　د۔ عتاب

۲۔ مرزا غالبؔ کی تکنیک، مقصد اور اسلوب پر مبنی درج ذیل سوالات کے جوابات دیں۔

الف۔ غالبؔ نے دوسرا جنم کس دور کو قرار دیا ہے؟

ب۔ غالبؔ کے خط میں کن حالات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے؟

ج۔ غالب پہلے جنم کو کیوں یاد کرتے ہیں؟

د۔ غالب مسکنِ قدیم میں کیوں بیٹھے رہے؟

ہ۔ غالب کے خطوط کی کوئی سی دو خصوصیات بیان کیجیے۔

۳۔ ضیا محی الدین کی آواز میں مکاتیب غالب کو تحت اللفظ میں سنیے اور ان کے محاسن کی نشان دہی کیجیے۔

۴۔ مختلف طلبہ باری باری مکاتیب غالب کی درست تلفظ، لب و لہجہ اور تاثر کے ساتھ بلند خوانی کرنے کے بعد پانچ پانچ طلبہ پر مشتمل گروہ بنائیں اور مختلف اخلاقی، معاشی اور ثقافتی امور وغیرہ کے سلسلے میں اپنی گفت گو میں موزوں الفاظ و تراکیب پر مشتمل روز مرہ اور محاورات کو استعمال کریں۔ اس سلسلے میں، شامل نصاب 'مکاتیب' غالب سے استفادہ کیا جا سکتا ہے۔

"آج شہر کے اخبار لکھتا ہوں۔ سوانح لیل و نہار لکھتا ہوں۔ کل پنج شنبہ ۲۵ مئی کو اوّل روز بڑے زور کی آندھی آئی۔ پھر خوب مینہ برسا، وہ جاڑا پڑا کہ شہر کرۂ زمہریر ہو گیا۔ قابل عطار کے کوچے کا بقیہ مٹایا گیا۔ کشمیری کٹڑے کی مسجد زمین کا پیوند ہو گئی۔ اللہ اللہ گنبد مسجدوں کے ڈھائے جاتے ہیں اور ہنود کی ڈیوڑھیوں کی جھنڈیوں کے پرچم لہرائے جاتے ہیں۔"

۵۔ مرزا غالب کے مکاتیب پر مشتمل مجموعوں 'اردوئے معلیٰ' اور 'عودِ ہندی' کا مطالعہ کریں اور مرزا غالب کے زمانے کی تاریخ سے واقف ہوتے ہوئے عصری تناظر میں تجزیہ اور تبصرہ کرنے کی مشق کریں۔

۶۔ مرزا غالب نے اپنے خطوط میں نہ صرف اپنے عہد کی تاریخ اور واقعات کو رقم کیا ہے بلکہ اپنے ذاتی، خاندانی حالات کو بھی قاری تک پہنچایا ہے۔ اس کے علاوہ مکتوب نگاری کو روایتی اسلوب سے نکال کر بے تکلفی کی فضا سے روشناس کرایا۔ تاریخی، سوانحی اور ادبی موضوعات کی شناخت کرتے ہوئے مرزا غالب کے خطوط کا مطالعہ کریں اور اپنی رائے کا اظہار کریں۔

۷۔ انٹرنیٹ سے مختلف سرکاری، صحافتی اور عدالتی دستاویزات کو ڈاؤن لوڈ کریں اور انھیں پُر کرنے کی مشق کریں۔

مرکب تام، مرکب ناقص اور مرکب مصادر:

(مرکب ناقص) دو یا دو سے زائد الفاظ کا ایسا مجموعہ جس سے کہنے والے کا مقصد پورا نہ ہو اور بات سننے والے کی سمجھ میں پوری طرح نہ آئے تو اسے مرکب ناقص کہیں گے۔ مثلاً: سردی کا موسم۔ لڑکوں کے جوتے، لڑکی کی کتابیں وغیرہ

دو یا دو سے زائد الفاظ کا ایسا مجموعہ جس سے کہنے والے کا مقصد پورا ہو جائے مرکب تام کہلاتا ہے۔ مثلاً: لڑکے کرکٹ کھیل رہے ہیں۔

❖ مرکب ناقص کی اقسام: (توصیفی، اضافی، عطفی)

i۔ مرکب توصیفی: ایسا مرکب جو موصوف اور اسم صفت سے مل کر بنا ہو اسے مرکب توصیفی کہیں گے۔ ہو۔ جیسے: تیز آدمی۔ ٹھنڈا موسم

ii۔ مرکب عطفی: ایسا مرکب جو معطوف الیہ، حرف عطف اور معطوف الیہ کے ملنے سے تشکیل پاتا ہے۔ مثلاً: صبح و شام، دن اور رات وغیرہ

iii۔ مرکب اضافی: ایسا مرکب جس میں ایک اسم کا تعلق دوسرے اسم کے ساتھ جوڑ دیا جاتا ہے۔ جیسے: چڑیا کی آواز، بلبل کے گیت وغیرہ

مرکب مصادر:

مصدر ایک ایسا اسم ہے جو خود کسی سے نہیں بنتا لیکن اس سے کئی لفظ بن سکتے ہیں۔ جب ایک مصدر کسی اسم یا کسی فعل کے ساتھ مل کر بنتا ہے تو اسے مرکب مصدر کہتے ہیں۔ مثلاً : روٹی کھانا، چھلانگ لگانا، غصہ کرنا۔ گرجانا، مار ڈالنا، لڑپڑنا وغیرہ۔ مرکب مصدر میں جب دو فعل اکٹھے آجائیں تو پہلے فعل کو اصل فعل جب کہ دوسرے فعل کو امدادی یا معاون فعل کہتے ہیں۔

۸۔ مرکب ناقص اور مرکب تام میں فرق واضح کریں نیز ہونا، آنا، رہنا کو بہ طور معاون یا امدادی فعل استعمال کریں۔

۹۔ درج ذیل عبارت کو علاماتِ اوقاف کا لحاظ رکھتے ہوئے باری باری پڑھیں۔

صاحب! میری داستان سنیے۔ پنسن بے کم و کاست جاری ہوا۔ زر مجتمعہ سہ سالہ یکمشت مل گیا۔ بعد ادائے حقوق چار سو روپے دینے باقی رہے اور ستاسی روپے گیارہ آنے مجھے بچے۔ مئی کا مہینہ بدستور ملا، آخر جون میں حکم ہو گیا کہ پنسن دار علی العموم ششماہی پایا کریں۔ ماہ بماہ و پنسن تقسیم نہ ہوا کرے۔ میں دس بارہ برس سے حکیم محمد حسن خان کی حویلی میں رہتا ہوں۔ اب وہ حویلی غلام اللہ خان نے مول لے لی۔ آخر جون میں مجھ سے کہا کہ حویلی خالی کر دو۔ اب مجھے فکر پڑی کہ کہیں دو حویلیاں قریب، ایسی ملیں کہ ایک محل سرا اور ایک دیوان خانہ ہو، نہ ملیں۔ ناچار یہ چاہا کہ بلی ماروں میں ایک مکان ایسا ملے کہ جس میں جا رہوں، نہ ملا۔ تمھاری چھوٹی پھوپھی نے بے کس نوازی کی، کڑوڑا والی حویلی مجھ کو رہنے کو دی۔ ہر چند وہ رعایت مرعی نہ رہی کہ محل سرا سے قریب ہو۔ مگر خیر، بہت دور بھی نہیں۔ کل یا پرسوں وہاں جا رہوں گا۔ ایک پاؤں زمین پر ہے، ایک پاؤں رکاب میں۔ توشے کا وہ حال، گوشے کی یہ صورت۔

سرگرمی

علامہ اقبال کے خطوط کا کوئی ایک مجموعہ اپنی کالج لائبریری سے جاری کروائیں۔ ان خطوط میں موجود موضوعات اور مضامین کو پڑھ کر ان کے مقاصد کی ترجمانی کرنے کی مشق کریں۔

ہدایات برائے اساتذہ کرام

- سبق خوانی سے قبل مکاتیبِ غالب کے مجموعوں 'اردوئے معلیٰ' اور 'عودِ ہندی' کے حوالے سے مرزا غالب کی خطوط کی ادبی، تاریخی اور سوانحی اہمیت سے آگاہ کریں تاکہ طلبہ منثور کلام سے متعلق اشارات اور اہم نکات سن کر ان کے فہم کا تجزیہ کرتے ہوئے رائے دے سکیں۔

خواجہ حسن نظامی (۱۸۷۸ء۔۱۹۵۵ء)

۸ فاقہ میں روزہ

(تاج دارِ دہلی کے ایک کنبے کا فسانہ)

یہ سبق پڑھنے کے بعد طلبہ اس قابل ہو جائیں گے کہ وہ:

- مضمون نویسی کے مختلف اندازِ تحریر (بیانیہ، مدلل، بحثی، تفصیلی اور تحقیقی و تنقیدی) کو مدِ نظر رکھتے ہوئے مختلف موضوعات کو قلم بند کر سکیں۔
- اخلاقی، معاشی، معاشرتی اور ثقافتی امور وغیرہ سے متعلق اپنی گفتگو میں موزوں الفاظ و تراکیب پر مشتمل روز مرہ اور بامحاورہ زبان استعمال کر سکیں۔
- مختلف سمعی ذرائع سے کہانی، نظم، واقعہ، تقریر، اعلان، خطبہ، گفتگو، خبر، ڈراما، ہدایت اور فیچر وغیرہ سُن کر احساس، جذبے اور تاثر کے حوالے سے زبان کے حسن و قبح کی نشان دہی کر سکیں۔
- مباحثوں، مذاکروں، سیمیناروں میں حصہ لیتے ہوئے کسی موضوع کے حق یا مخالفت میں دلائل اور آداب کے ساتھ اپنا نقطۂ نظر پیش کر سکیں۔
- اپنی جماعت کے معیار کے مطابق روز مرہ، ضرب الامثال اور محاورات کا استعمال کرتے ہوئے سادہ اور مرکب جملے تحریر کر سکیں۔
- الفاظ و معانی سے واقفیت اور ان کے انتخاب میں لغت اور تھیسارس کا استعمال کر سکیں اور درست تلفظ کی فہم کے لیے اعراب کا استعمال کریں۔
- رپورتاژ، تجزیاتی رپورٹ اور یادداشت کے درمیان فرق کو سمجھتے ہوئے ان کی تحریری تخلیق کر سکیں۔
- منظوم یا منثور کسی بھی دو اصنافِ ادب یا اقتباسات کے درمیان موازنہ کرتے ہوئے تبصرہ کر سکیں۔

پڑھیں

جب دہلی زندہ تھی اور ہندوستان کا دل کہلانے کا حق رکھتی تھی، لال قلعہ پر تیموریوں کا آخری نشان لہرا رہا تھا۔ ان ہی دنوں کا ذکر ہے کہ مرزا سلیم بہادر (جو ابو ظفر بہادر شاہ کے بھائی تھے) اپنے مردانہ مکان میں بیٹھے ہوئے دوستوں سے بے تکلفانہ باتیں کر رہے تھے کہ اتنے میں زنان خانہ سے ایک لونڈی باہر آئی اور ادب سے عرض کیا کہ حضور بیگم صاحبہ یاد فرماتی ہیں۔ مرزا سلیم فوراً محل میں چلے گئے اور تھوڑی دیر میں مغموم واپس آئے۔ ایک بے تکلف ندیم نے عرض کیا: ''خیر باشد مزاجِ عالی مکدر پاتا ہوں۔'' مرزا نے مسکرا کر جواب دیا:

''نہیں کچھ نہیں بعض اوقات اماں حضرت خواہ مخواہ ناراض ہو جاتی ہیں۔ کل شام کو افطاری کے وقت نتھن خاں گویا گا رہا تھا اور میرا دل بہلا رہا تھا۔ اس وقت اماں حضرت قرآن شریف پڑھا کرتی ہیں، ان کو یہ شور و غل ناگوار معلوم ہوا۔ آج ارشاد ہوا ہے کہ رمضان بھر گانے بجانے کی محفلیں بند کر دی جائیں۔ بھلا میں اس تفریحی عادت کو کیوں کر چھوڑ سکتا ہوں۔ ادب کے لحاظ سے قبول تو کر لیا مگر اس کی پابندی سے جی الجھتا ہے۔ حیران ہوں کہ سولہ دن کیوں کر بسر ہوں گے۔''

مصاحب نے ہاتھ باندھ کر عرض کیا:

"حضور یہ بھی کوئی پریشان ہونے کی بات ہے۔ شام کو افطاری سے پہلے جامع مسجد میں تشریف لے چلا کیجیے عجب بہار ہوتی ہے۔ رنگ برنگ کے آدمی، طرح طرح کے جمگھٹے دیکھنے میں آئیں گے۔ خدا کے دن ہیں خدا والوں کی بہار دیکھیے۔"

مرزا نے اس صلاح کو پسند کیا اور دوسرے دن مصاحبوں کو لے کر جامع مسجد پہنچے۔ وہاں جا کر عجب عالم دیکھا۔ جگہ جگہ حلقہ بنائے لوگ بیٹھے ہیں۔ کہیں قرآن شریف کے دور ہو رہے ہیں۔ رات کے قرآن سنانے والے حفاظ ایک دوسرے کو قرآن سنا رہے ہیں۔ کہیں مسائل دین پر گفتگو ہو رہی ہے۔ دو عالم کسی فقہی مسئلہ پر بحث کرتے ہیں اور بیسیوں آدمی گروہ میں بیٹھے مزے سے سن رہے ہیں۔ کسی جگہ توجہ اور مراقبہ کا حلقہ ہے۔ کہیں کوئی صاحب وظائف میں مشغول ہیں۔ الغرض مسجد میں چاروں طرف اللہ والوں کا ہجوم ہے۔

کُلُّ جَدِیدٍ لَذِیذٌ مرزا کو یہ نظارا بہت پسند آیا اور وقت بہت لطف سے کٹ گیا۔ اتنے میں افطار کا وقت قریب آیا۔ سینکڑوں خوان افطاری کے آنے لگے اور لوگوں میں افطاریاں تقسیم ہونے لگیں۔ خاص محل سلطانی سے متعدد خوان مکلّف چیزوں سے آراستہ روزانہ جامع مسجد میں بھیجے جاتے تھے تاکہ روزہ داروں میں افطاری تقسیم کی جائے۔ اس کے علاوہ قلعہ کی تمام بیگمات اور شہر کے سب امرا علیحدہ افطاری کا سامان بھیجتے تھے اس لیے ان خوانوں کی گنتی سینکڑوں تک پہنچ جاتی تھی۔ چوں کہ ہر امیر کوشش کرتا تھا کہ اس کا سامان افطاری دوسروں سے بڑھ کر رہے، اس لیے ریشمی رنگ برنگ کے خوان پوش اور ان پر مقیشی جھالریں ایک سے ایک بڑھ چڑھ کر ہوتی تھیں اور مسجد میں ان کی عجب آرائش ہو جاتی تھی۔

مرزا کے دل پر اس دینی چرچے اور شان شوکت نے بڑا اثر ڈالا اور اب وہ برابر روزانہ مسجد میں آنے لگے۔ گھروں میں وہ دیکھتے کہ سینکڑوں فقرا کو سحری اور اول شب کا کھانا روزانہ شہر کی خانقاہوں اور مسجدوں میں بھجوایا جاتا تھا اور باوجود رات، دن کے لہو و لعب کے یہ دن ان کے گھر میں بڑی برکت اور چہل پہل کے معلوم ہوتے تھے۔

مرزا سلیم کے ایک بھانجے مرزا شہ زور نو عمری کے سبب اکثر اپنے ماموں کی صحبت میں بے تکلف شریک ہوا کرتے تھے۔ ان کا بیان ہے کہ ایک تو وہ وقت تھا جو آج خواب و خیال کی طرح یاد آتا ہے اور ایک وہ وقت آیا کہ دہلی زیر و زبر ہو گئی۔ قلعہ برباد کر دیا گیا۔ امیروں کو پھانسیاں مل گئیں۔ ان کے گھر اکھڑ گئے۔ ان کی بیگمات ماماگیری کرنے لگیں اور مسلمانوں کی سب شان و شوکت تاراج ہو گئی۔ اس کے بعد ایک دفعہ رمضان شریف کے مہینے میں جامع مسجد جانے کا اتفاق ہوا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ جگہ جگہ چولھے بنے ہوئے ہیں۔ سپاہی روٹیاں پکا رہے ہیں۔ گھوڑوں کے دانے دلے جا رہے ہیں۔ گھاس کے انبار لگے ہوئے ہیں اور شاہ جہاں کی خوب صورت اور بے مثال مسجد، اصطبل نظر آتی ہے اور پھر جب مسجد واگزاشت ہو گئی اور سرکار نے اس کو مسلمانوں کے حوالے کر دیا تو رمضان ہی کے مہینے میں پھر جانا ہوا۔ دیکھا کہ چند مسلمان میلے کچیلے پیوند لگے کپڑے پہنے بیٹھے ہیں۔ دو چار قرآن شریف کا دور کر رہے ہیں اور کچھ اسی پریشان حالی میں بیٹھے وظیفہ پڑھ رہے ہیں۔ افطاری کے وقت چند آدمیوں نے کھجوریں اور دال سیو بانٹ دیے، کسی نے ترکاری کے قتلے تقسیم کر دیے۔ نہ وہ اگلا سا ساماں نہ وہ اگلی سی چہل پہل نہ وہ پہلی سی شان و شوکت، یہ معلوم ہوتا تھا کہ بے چارے فلک کے مارے چند لوگ جمع ہو گئے ہیں۔ انگریزی تعلیم یافتہ مسلمان تو مسجد میں نظر ہی کم آتے ہیں۔ غریب غربا آئے تو ان سے رونق کیا خاک ہو سکتی ہے۔ پھر بھی غنیمت ہے کہ مسجد آباد رہے۔ اگر مسلمانوں کے افلاس کا یہی عالم رہا تو آئندہ خبر نہیں کیا نوبت آئے۔

مرزا شہ زور کی باتوں میں بڑا درد اور اثر تھا۔ ایک دن میں نے ان سے غدر کا قصہ اور تباہی کا فسانہ سننا چاہا۔ آنکھوں میں آنسو بھر لائے۔ اس کے بیان کرنے میں عذر و مجبوری کرنے لگے۔ لیکن جب میں نے زیادہ اصرار کیا تو اپنی دردناک کہانی اس طرح سنائی۔

''جب انگریزی توپوں نے، کرچوں اور سنگینوں نے، حکیمانہ توڑ جوڑ نے، ہمارے ہاتھ سے تلوار چھین لی۔ تاج سر سے اتار لیا۔ تخت پر قبضہ کر لیا۔ شہر میں آتش ناک گولیوں کا مینہ برس چکا۔ سات پردوں میں رہنے والیاں بے چادر ہو کر بازار میں اپنے وارثوں کی تڑپتی لاشوں کو دیکھنے نکل آئیں۔ چھوٹے بن باپ کے بچے ابا ابا پکارتے ہوئے بے یار و مددگار پھرنے لگے۔ حضور ظل سبحانی جن پر ہم سب کا سہارا تھا، قلعہ چھوڑ کر باہر نکل گئے۔ اس وقت میں نے بھی اپنی بوڑھی والدہ، کمسن بہن اور بیمار بیوی کو ساتھ لے کر اور اجڑے قافلہ کا سالار بن کر گھر سے کوچ کیا۔''

ہم لوگ دو رتھوں میں سوار تھے۔ سیدھے غازی آباد کا رخ کیا مگر بعد میں معلوم ہوا کہ وہ راستہ انگریزی لشکر کی جولان گاہ بنا ہوا ہے اس لیے شاہدرہ سے واپس ہو کر قطب صاحب چلے اور وہاں پہنچ کر رات کو آرام کیا۔ اس کے بعد صبح آگے روانہ ہوئے۔ چھترپور کے قریب گوجروں نے حملہ کیا اور سب سامان لوٹ لیا مگر اتنی مہربانی کی کہ ہم کو زندہ چھوڑ دیا۔ وہ لق و دق جنگل، تین عورتوں کا ساتھ اور عورتیں بھی کیسی ایک بڑھاپے سے لاچار، دو قدم چلنا دشوار، دوسری بیمار، تیسری دس برس کی معصوم لڑکی زار و نزار۔ عورتیں روتی تھیں اور بیان کر کے روتی تھیں۔ میرا کلیجہ ان کے بیان سے پھٹا جاتا تھا۔ والدہ کہتی تھیں الٰہی ہم کہاں جائیں، کس کا سہارا ڈھونڈیں، ہمارا تاج و تخت لٹ گیا تو ٹوٹا بوریا اور امن کو جگہ تو دے۔ اس معصوم بچی کو کس کے حوالے کروں، جنگل کے درخت بھی ہمارے دشمن ہیں، کہیں سایہ نظر نہیں آتا۔ بہن کی یہ کیفیت تھی کہ وہ سہمی ہوئی کھڑی تھی اور ہم سب کا منہ تکتی تھی۔ مجھ کو اس کی معصومانہ بے کسی پر بڑا ترس آتا تھا۔ آخر مجبوراً میں نے عورتوں کو دلاسا دیا اور آگے چلنے کی ہمت بندھائی۔ گاؤں سامنے نظر آتا تھا۔ غریب عورتوں نے چلنا شروع کیا۔ والدہ صاحبہ قدم قدم پر ٹھوکریں کھاتی تھیں اور سر پکڑ کر بیٹھ جاتی تھیں اور جب وہ یہ کہتیں:

''تقدیر ان کو ٹھوکریں کھلواتی ہے جو تاج وروں کے ٹھوکریں مارتے تھے۔ قسمت نے ان کو بے بس کر دیا جو بے کسوں کے کام آتے تھے۔ ہم چنگیز کی نسل ہیں جس کی تلوار سے زمین کانپتی تھی۔ ہم تیمور کی اولاد ہیں جو ملکوں کا اور شہریاروں کا شاہ تھا۔ ہم شاہ جہاں کے گھر والے ہیں جس نے ایک قبر پر جواہر نگار بہار دکھادی اور دنیا میں بے نظیر مسجد دہلی کے اندر بنادی۔ ہم ہندوستان کے شہنشاہ کے کنبے میں ہیں۔ ہم عزت والے تھے زمین میں ہمیں کیوں ٹھکانہ نہیں ملتا۔ وہ کیوں سرکشی کرتی ہے۔ آج ہم پر مصیبت ہے آج ہم پر آسمان روتا ہے۔''

تو بدن پر رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے۔ القصہ بہ ہزار دقت و دشواری گرتے پڑتے گاؤں میں پہنچے۔ یہ گاؤں میواتیوں کا تھا۔ انھوں نے ہماری خاطر کی اور اپنے چوپال میں ہم کو ٹھہرایا۔

کچھ روز تو ان مسلمان گنواروں نے ہمارے کھانے پینے کی خبر رکھی اور چوپال میں ہم کو ٹھہرائے رکھا لیکن کب تک یہ بار اٹھا سکتے تھے، اکتا گئے اور ایک دن مجھ سے کہنے لگے کہ میاں جی! چوپال میں ایک بارات آنے والی ہے تو دوسرے چھپر میں چلا جا اور رات دن ٹھالی (بے کار) بیٹھے کیا کرے ہے، کچھ کام کیوں نہیں کرتا۔ میں نے کہا: ''بھائی جہاں تم کہو گے وہیں جا پڑیں گے، ہمیں چوپال میں رہنے کی ہوس نہیں جب فلک نے عالی شان محل چھین لیے تو اس کچے مکان پر ہم کیا ضد کریں گے اور رہی کام کرنے کی بات سو میرا جی تو خود گھبراتا ہے، خالی بیٹھے ہوئے طبیعت اکتائی جاتی ہے، مجھ کو کوئی کام بتاؤ۔ ہو سکے تو آنکھوں سے کروں گا۔''

ان کا چودھری بولا: "ہم نے کے بیرا کہ تو کے کام کر سکے ہے۔" (ہم کو کیا پتہ کہ تو کیا کام کر سکتا ہے)

میں نے جواب دیا: "میں سپاہی زادہ تیغ تفنگ چلانا میرا ہنر ہے اس کے علاوہ اور کوئی کام نہیں جانتا۔"

گنوار ہنس کر کہنے لگے: "نہ بابا یہاں تو ہل چلانا ہوگا، گھاس کھودنی پڑے گی، ہم نے تلوار کے ہنر کیا کرنے ہیں۔"

گنواروں کے اس جواب سے میری آنکھوں میں آنسو آ گئے اور جواب دیا کہ "

"بھائیو مجھ کو تو ہل چلانا اور گھاس کھودنی نہیں آتی۔"

مجھ کو روتا دیکھ کر گنواروں کو رحم آگیا اور بولے:

"اچھا تو ہمارے کھیت کی رکھوالی کیا کر اور تیری عورتیں ہمارے گاؤں کے کپڑے سی دیا کریں۔ فصل پر تجھ کو اناج دے دیا کریں گے جو تجھ کو برس دن کو کافی ہوگا۔ چناں چہ یہی ہوا کہ میں سارا دن کھیت پر جانور اڑایا کرتا تھا اور گھر میں عورتیں کپڑے سیتی تھیں۔ ایک دفعہ ایسا ہوا کہ بھادوں کا مہینہ آیا اور گاؤں میں سب کو بخار آنے لگا، میری اہلیہ اور بہن کو بھی بخار نے آن دبایا۔ وہ گاؤں وہاں دوا اور حکیم کا کیا ذکر۔ خود لوٹ پوٹ کر اچھے ہو جاتے ہیں مگر ہم کو دواؤں کی عادت تھی سخت تکلیف اٹھانی پڑی۔ اسی حالت میں ایک دن اس زور کی بارش ہوئی کہ جنگل کا نالہ چڑھ آیا اور گاؤں میں کمر کمر پانی ہو گیا۔ گاؤں والے تو اس کے عادی تھے لیکن ہماری حالت اس طوفان کے سبب مرنے سے بدتر ہو گئی۔ چوں کہ پانی ایک دفعہ ہی رات کے وقت گھس آیا تھا۔ اس لیے ہماری عورتوں کی چارپائیاں بالکل غرق آب ہو گئیں۔ آخر بڑی مشکل سے چھپر کی بلیوں میں دو چارپائیاں اڑا کر عورتوں کو ان پر بٹھایا۔ پانی گھنٹہ بھر میں اتر گیا مگر غضب یہ ہوا کہ کھانے کا اناج اور اوڑھنے بچھانے کے کپڑے تر کر گیا۔ پچھلی رات میری بیوی کے درد شروع ہوا اور ساتھ ہی جاڑے سے بخار بھی آیا۔ اس وقت کی پریشانی بس بیان کرنے کے قابل نہیں۔ اندھیرا گھپ، مینہ کی جھڑی، کپڑے سب گیلے، آگ کا سامان ناممکن۔ حیران تھے الٰہی کیا انتظام کیا جائے۔ درد بڑھنا شروع ہوا اور مریضہ کی حالت نہایت ابتر ہو گئی۔ یہاں تک کہ تڑپنے لگی اور تڑپتے تڑپتے جان دے دی۔

چوں کہ وہ ساری عمر ناز و نعمت میں پلی تھیں، غدر کی مصیبتیں ہی ان کی ہلاکت کے لیے کافی تھیں۔ خیر اس وقت تو جان بچ گئی مگر یہ بعد کا جھٹکا ایسا بڑا لگا کہ جان لے کر گیا۔ صبح ہو گئی، گاؤں والوں کو خبر ہوئی تو انھوں نے کفن وغیرہ منگوا دیا اور دوپہر تک یہ محتاج شہزادی گور غریباں میں ہمیشہ کے لیے جا سوئی۔

اب ہم کو کھانے کی فکر ہوئی کیوں کہ اناج سب بھیگ کر سڑ گیا تھا۔ گاؤں والوں سے بھی مانگتے ہوئے لحاظ آتا تھا۔ وہ بھی ہماری طرح اسی مصیبت میں گرفتار تھے۔ تاہم بے چارے گاؤں کے چودھری کو خود ہی خیال ہوا اور اس نے قطب صاحب سے ایک روپے کا آٹا منگوا دیا۔ وہ آٹا نصف کے قریب خرچ ہوا ہوگا کہ رمضان شریف کا چاند نظر آیا۔ والدہ صاحبہ کا دل بہت نازک تھا، وہ ہر وقت گزشتہ زمانے کو یاد کیا کرتی تھیں، رمضان کا چاند دیکھ کر انھوں نے ایک ٹھنڈا سانس بھرا اور چپ ہو گئیں۔ میں سمجھ گیا کہ ان کو اگلا وقت یاد آ گیا ہے۔ تسلی کی باتیں کرنے لگا جس سے ان کو کچھ ڈھارس ہو گئی۔

چار پانچ دن تو آرام سے گزر گئے مگر جب آٹا ختم ہو چکا تو بڑی مشکل در پیش ہوئی۔ سوال کرتے ہوئے شرم آتی تھی اور پاس ایک کوڑی نہ تھی۔ شام کو پانی سے روزہ کھولا، بھوک کے مارے کلیجہ منہ کو آتا تھا۔

والدہ صاحبہ کی عادت تھی کہ اس قسم کی تکلیف کے وقت بیان کر کے رویا کرتی تھیں مگر آج بڑے اطمینان سے خاموش تھیں۔ ان کی خاموشی واطمینان سے میرے دل کو بھی سہارا ہوا اور چھوٹی بہن کو جس کے چہرے پر بھوک کے مارے ہوائیاں اڑ رہی تھیں، دلاسا دینے لگا وہ معصوم بھی میرے سمجھانے سے نڈھال ہو کر چارپائی پر جا پڑی اور تھوڑی دیر میں سوگئی۔ بھوک میں نیند کہاں آتی ہے بس ایک غوطہ سا تھا۔

اس غوطے اور ناتوانی کی حالت میں سحری کا وقت آ گیا۔ والدہ صاحبہ اٹھیں اور تہجد کی نماز کے بعد جن درد ناک الفاظ میں انھوں نے دعا مانگی اور ان کا نقل کرنا محال ہے۔ حاصل مطلب یہ ہے کہ انھوں نے بارگاہ الٰہی میں عرض کیا: ''ہم نے ایسا کیا قصور کیا ہے جس کی سزا یہ مل رہی ہے۔ رمضان کے مہینے میں ہمارے گھر سے سینکڑوں محتاجوں کو کھانا ملتا تھا اور آج ہم خود دانے دانے کو محتاج ہیں اور روزے پر روزہ رکھتے ہیں۔ خداوند! اگر ہم سے قصور ہوا ہے تو اس معصوم بچی نے کیا خطا کی جس کے منہ میں کل سے ایک کھیل اڑ کر نہیں گئی۔''

دوسرا دن بھی یوں ہی گزر گیا اور فاقے میں روزے پر روزہ رکھا۔ شام کے قریب چودھری کا آدمی دودھ اور میٹھے چاول لایا اور بولا: آج ہمارے نیاز تھی، یہ اس کا کھانا ہے اور پانچ روپے زکوٰۃ کے ہیں۔ ہر سال بکریوں کی زکوٰۃ میں بکری دیا کرتے ہیں مگر اب کے نقد دے دیا ہے۔

یہ کھانا اور روپے مجھ کو ایسی نعمت معلوم ہوئی گویا بادشاہت مل گئی۔ خوشی خوشی والدہ کے آگے سارا قصہ کہا۔ کہتا جاتا تھا اور خدا کا شکرانہ بھیجتا جاتا تھا مگر یہ خبر نہ تھی کہ گردش افلاک نے مرد کے خیال پر تو اثر ڈال دیا لیکن عورت ذات جوں کی توں اپنی قدیم غیرت داری پر قائم ہے۔

چناں چہ میں نے دیکھا کہ والدہ کا رنگ متغیر ہو گیا۔ باوجود فاقے کی ناتوانی کے انھوں نے تیور بدل کر کہا: ''تف ہے تیری غیرت پر، خیرات اور زکوٰۃ لے کر آیا ہے اور خوش ہو رہا ہے۔ ارے اس سے مر جانا بہتر تھا۔ اگرچہ ہم مٹ گئے مگر ہماری حرارت نہیں مٹی۔ میدان میں نکل کر مر جانا یا مار ڈالنا اور تلوار کے زور سے روٹی لینا ہمارا کام ہے، صدقہ خوری ہمارا شیوہ نہیں۔''

والدہ کی ان باتوں سے مجھے پسینہ آ گیا اور شرم کے مارے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے پڑ گئے۔ چاہا کہ اٹھ کر یہ چیزیں واپس کر آؤں مگر والدہ نے روکا اور کہا: ''خدا ہی کو یہ منظور تو ہے ہم کیا کریں سب کچھ سہنا ہوگا۔ یہ کہہ کر کھانا رکھ لیا اور روزہ کھولنے کے بعد ہم سب نے مل کر کھالیا۔ پانچ روپے کا آٹا منگوا لیا جس سے رمضان خیر وخوبی سے بسر ہو گیا۔''

اس کے بعد چھ مہینے گاؤں میں اور رہے پھر دہلی چلے آئے۔ یہاں آ کر والدہ کا انتقال ہو گیا اور بہن کی شادی کر دی۔ انگریزی سرکار نے میری بھی پانچ روپے ماہوار پنشن مقرر کر دی ہے جس پر آج کل زندگی کا انحصار ہے۔

(۱۸۵۷ء)

خواجہ حسن نظامی (۱۸۷۸ء۔۱۹۵۵ء)

خواجہ حسن نظامی بستی حضرت نظام الدین اولیا، دہلی میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد حافظ سید عاشق علی حضرت نظام الدین اولیا کی درگاہ سے وابستہ تھے۔ بارہ سال کے تھے کہ والدین کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ ابتدائی زندگی بڑی تنگ دستی میں گزری۔ کتابیں بیچنے کا کاروبار شروع کیا۔ فرصت کے اوقات میں لکھنے لکھانے کا کام کرتے، رفتہ رفتہ ان کے مضامین رسالوں اور اخباروں میں چھپنے لگے۔ ان کی صحافتی زندگی کا آغاز روزنامہ "رعیت" سے ہوا۔ اخبار "منادی" میں ان کا روزنامہ شائع ہوتا رہا۔ خود بھی میرٹھ سے ایک اخبار "توحید" نکالا۔

اُردو ادب میں خواجہ حسن نظامی منفرد اسلوب نثر کے اعتبار سے بڑی شہرت رکھتے ہیں۔ انھوں نے مختلف موضوعات پر مضامین لکھے ہیں۔ ان مضامین کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ ایک تو وہ جو انھوں نے غدر ۱۸۵۷ء میں مغلیہ خاندان پر گزرنے والی دردناک مصیبتوں کے سلسلے میں لکھے اور دوسرے ادبی، اخلاقی اور صوفیانہ موضوعات پر مشتمل ہیں۔ یہ مضامین اسلوب اور انداز فکر کی دل کشی کی وجہ سے انھیں ہمیشہ زندہ رکھیں گے۔

خواجہ حسن نظامی کی زبان دہلی کی ٹکسالی زبان ہے۔ عبارت میں صفائی اور دلکشی پائی جاتی ہے۔ انھیں دہلی کے محاورہ اور روز مرہ پر پوری قدرت حاصل ہے۔ ان کی تحریروں میں بے تکلفی اور بے ساختگی ہے۔ ان کے جملے چھوٹے اور دل پر اثر کرنے والے ہوتے ہیں، ان کے ہاں ہندی الفاظ کے ساتھ فارسی الفاظ بھی عام استعمال ہے لیکن عبارت کی روانی اور سلاست میں ذرا فرق نہیں آتا۔ آپ کا انداز ایک کھلا ذہن کھلا دل اور وسیع المشرب نقطہ نظر رکھنے والے صوفی کا سا ہے جو ان کی ہر تحریر میں جھلکتا ہے۔

تصانیف: بیگمات کے آنسو، انگریزوں کی بپتا، غور کا فرمان، غالب کا روزنامچہ غدر، غدر کی صبح شام، دہلی کی آخری شمع، سیپارۂ دل، سفر نامہ حجاز مصر و شام، محرم نامہ، جگ بیتی کہانیاں، میلاد نامہ، مجموعہ خطوط حسن نظامی، توپ خانہ وغیرہ

مشق

۱۔ درست جواب کے گرد دائرہ لگائیں۔

الف۔ مرزا سلیم رمضان شریف میں محفلیں سجاتے تھے:

الف۔ گانے بجانے کی　　ب۔ نعت خوانی کی　　ج۔ مراقبے کی　　د۔ مناظروں کی

ب۔ مرزا شہ زور کی والدہ مرزا سلیم کی تھیں:

الف۔ بہن　　ب۔ بھابھی　　ج۔ سالی　　د۔ بھانجی

ج۔ مصاحب کے کہنے پر مرزا سلیم جانے لگے:

الف۔ قطب صاحب　　ب۔ تاج محل　　ج۔ مقبرہ ہمایوں　　د۔ جامع مسجد

د۔ انگریز سرکار نے مرزا سلیم کی پنشن مقرر کی:

الف۔ پانچ روپے　　ب۔ سات روپے　　ج۔ دس روپے　　د۔ بارہ روپے

۲۔ مضمون نویسی کے مختلف اندازِ تحریر کو مد نظر رکھتے ہوئے مندرجہ ذیل موضوعات کو قلم بند کریں۔

الف۔ مسئلہ کشمیر

ب۔ سائنس اور ٹیکنالوجی۔

ج۔ سوشل میڈیا کے آداب

۳۔ سبق 'فاقہ میں روزہ' پڑھ کر اس میں موجود مندرجہ ذیل موضوعات کی شناخت کرتے ہوئے مصنف اور قارئین کے نقطہ نظر کے ساتھ اس کی وضاحت کے لیے اپنی رائے کا اظہار کریں اور انھیں اپنی روز مرہ اور بامحاورہ زبان میں استعمال بھی کریں۔

الف۔ ۱۸۵۷ء سے قبل دہلی کے حالات

ب۔ مسجد کی رونقیں اور عبادت گزاروں کے لیے کھانے کا بندوبست

ج۔ مرزا سلیم حیدر کے شب و روز

د۔ ۱۸۵۷ء کے بعد مسجد کی دگرگوں صورت حال

ہ۔ ۱۸۵۷ء کے بعد مسلمانوں کے معاشی حالات

و۔ مغلیہ شہزادوں، شہزادیوں کی دربدری اور کس مپرسی

۴۔ "آئین پاکستان اور حقوق انسانی" کے موضوع پر اپنے کالج میں ایک سیمینار یا مباحثہ منعقد کریں۔ موضوع کے حق یا مخالفت میں دلائل اور آداب کے ساتھ اپنا نقطۂ نظر بھی پیش کریں۔

۵۔ سبق 'مکاتیب غالب' اور 'فاقہ میں روزہ' آپ نے پڑھا۔ دونوں مختلف اصناف ادب ہیں۔ آپ دہلی کے حالات کے بیان کے حوالے سے دونوں کے درمیان موازنہ کرتے ہوئے تبصرہ کریں۔

(اصناف، موضوعات، پیش کش، ادبی محاسن، مصنف کا نقطہ نظر، زبان و بیان کا انتخاب اور قارئین پر اثرات کے لحاظ سے)

۶۔ سبق کے متن میں شامل درج ذیل الفاظ و تراکیب، محاورات، ضرب الامثال، مترادفات اور مرکبات پر مشتمل فقرات سمجھ کر پڑھیں اور انھیں برمحل استعمال کرنے کی مشق کریں۔

الف۔ خیر باشد مزاج عالی مکدر پاتا ہوں۔

ب۔ جب دہلی زندہ تھی اور ہندوستان کا دل کہلانے کا حق رکھتی تھی۔

ج۔ خدا کے دن ہیں خدا والوں کی بہار دیکھیے۔

د۔ کل جدید لذیذ

ہ۔ تقدیر ان کو ٹھوکریں کھلاتی ہے جو تاجوروں کو ٹھوکریں مارتے تھے۔

و۔ آج ہم پر مصیبت ہے، آج آسمان ہم پر روتا ہے۔

ی۔ "ہم نے کے بیرا کہ تو کے کام کر سکے ہے"

۷۔ 'پاکستان میں ڈینگی بخار کے پھیلاؤ اور اس سے بچاؤ کی حفاظتی تدابیر' کے حوالے سے ایک رپورتاژ یا تجزیاتی رپورٹ کی تحریری تخلیق کریں اور اسے مقامی اخبار میں اشاعت کے لیے بھیجیں تاکہ عوامی آگاہی کے حوالے سے ذمہ داری نبھائی جاسکے۔

۸۔ لغت اور تھیسارس کا استعمال

اُردو زبان و ادب کا مطالعہ کرتے ہوئے ہمارے سامنے بہت سے ایسے الفاظ آتے ہیں جو ہمارے لیے غیر مانوس ہوتے ہیں اور ہم نہ صرف ان کے معانی اور مطالب سے واقف نہیں ہوتے بلکہ اس بات سے بھی بے خبر ہوتے ہیں کہ ان الفاظ کی اصل کیا ہے اور وہ کہاں سے اور کس زبان سے آئے ہیں اور اُردو میں آکر انھوں نے کیا شکل اختیار کی ہے؟ اِسی طرح ان کے لغوی اور اصطلاحی معنی کیا ہیں اور ان کے استعمال کا طریقہ کیا ہے؟ یہ سب کچھ جاننے کے لیے لغت کا سہارا لیا جاتا ہے۔

تھیسارس لفظوں کا ارتقا بیان کرتا ہے۔ تھیسارس یونانی زبان سے انگریزی میں آیا ہے اور اس کا مطلب ہے ذخیرہ یا خزینہ بعد میں یہ لفظ خزینہ الفاظ کے معنوں میں استعمال ہونے لگا۔ تھیسارس ہمیں مختلف موضوعات اور تصورات کے بارے میں مناسب لفظوں کی فہرست مہیا کرتا ہے۔ مثلاً اگر ہم سڑک کے بارے میں جاننے کے خواہش مند ہیں تو تھیسارس ہمیں اس طرح کے الفاظ مہیا کرے گا: پگ ڈنڈی، راہ، راستہ، شاہراہ، خیابان، ہائی وے، روڈ، ذیلی سڑک وغیرہ وغیرہ

❖ درج ذیل الفاظ کے معانی سے واقفیت کے لیے تھیسارس اور لغت کا استعمال کرتے ہوئے معانی لکھیے اور ان الفاظ کے درست تلفظ کے فہم کے لیے ان پر اعراب بھی لگائیں۔

غدر، مغموم، جگمگانا، صلاح، مراقبہ، مکلف، واگزاشت، لشکر، کم سن، چھپر

سرگرمی

مختلف سمعی ذرائع سے کہانی، نظم، واقعہ، تقریر، اعلان، خطبہ، گفت گو، خبر، ڈرامہ، ہدایت اور فیچر وغیرہ سن کر احساس، جذبے اور تاثر کے حوالے سے زبان کے حُسن و قبح کی نشان دہی کریں۔

ہدایات برائے اساتذہ کرام

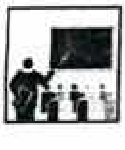

- طلبہ کو مختلف سمعی ذرائع سے کہانی، نظم، واقعہ، تقریر، اعلان، خطبہ، گفت گو، خبر، ڈرامہ، ہدایت اور فیچر وغیرہ سن کر احساس، جذبے اور تاثر کے حوالے سے زبان کے حُسن و قبح کی نشان دہی کرنے کی مشق کروائیں۔

ڈاکٹر ممتاز منگلوری (پیدائش ۱۹۳۶ء)

۹ پاکستانی زبانیں اور ان کا باہمی رشتہ

اس سبق کی تدریس کے بعد طلبہ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

- ذرائع ابلاغ سے خبروں، ڈراموں اور فیچروں وغیرہ میں اٹھائے گئے اخلاقی، معاشی، معاشرتی اور ثقافتی نکات سن کر استحسانی اور تنقیدی گفت گو کر سکیں۔
- مختلف انگریزی اقتباسات (انگریزی سے اردو) کے اصل معانی و مفہوم اور مقاصد کو برقرار رکھتے ہوئے تراجم کر سکیں۔
- عالمی ثقافتوں، معاشرتی، معاشی و سماجی رابطوں کے لیے مختلف تحاریر کو پڑھ سکیں اور ان سے معلومات حاصل کر سکیں۔
- مختلف تحاریر (روداد، مضامین، سفر نامہ، خطوط، خبریں، رپورٹ، اشتہار وغیرہ) پڑھ کر اپنے الفاظ میں ان کی ترجمانی کر سکیں۔
- جملے کی ساخت، بناوٹ، روزمرہ اور محاورے کے لحاظ سے غلط فقرات / جملوں کی درست کر سکیں۔
- واحد جمع (جمع مکسر، جمع سالم) بنا سکیں اور استعمال کر سکیں۔ جمع الجمع کا تحریر میں برمحل استعمال کر سکیں۔
- علمی ادبی موضوع پر اپنے مطالعے، تجربے اور مشاہدے کی روشنی میں استدلال درست تلفظ اور عمدہ لہجے کے ساتھ زبانی تقریر کر سکیں۔

پڑھیں

پاکستان میں چھوٹی بڑی کئی زبانیں بولی جاتی ہیں۔ ان میں وطن عزیز کے چاروں صوبوں میں بولی جانے والی زبانوں کے علاوہ شمالی علاقوں اور آزاد کشمیر کی زبانیں بھی شامل ہیں۔ یہ زبانیں اپنے اپنے علاقوں کے عوام کی امنگوں، آرزوؤں، جذبات، احساسات اور طریق تمدن و معاشرت کی آئینہ دار ہیں۔ ان میں لوک اور تحریری ادب کا بیش بہا ذخیرہ موجود ہے جو مجموعی طور پر اس تہذیب و ثقافت کے خدوخال کو نمایاں کرتا ہے جسے ہم "پاکستانی تہذیب و ثقافت" کہتے ہیں۔

یہ زبانیں مخصوص علاقوں کے تعلق سے بظاہر ایک دوسرے سے مختلف سہی، لیکن اگر بغور دیکھا جائے تو ان میں بڑے گہرے تاریخی تمدنی اور روحانی رشتے قائم ہیں۔ ان زبانوں کی تاریخ بتاتی ہے کہ ان کی نشو و نما جنوبی ایشیا میں مسلمانوں کے دورِ اقتدار کی مرہونِ منت ہے۔ ان کے ذخیرہ الفاظ، رسم الخط، روزمرّہ و محاورات، تلمیحات و ضرب الامثال اور روایات و حکایات سے یہ حقیقت نمایاں ہوتی ہے کہ یہ زبانیں اسلامی تشخص رکھتی ہیں ان زبانوں کے شعر و ادب نے صوفیائے کرام کے فیوض و برکات کے سائے میں پرورش پائی اور یوں ان زبانوں نے اخوت و مساوات، غیرت و حمیت اور باہمی مہر و محبت کی اعلیٰ انسانی اقدار کی پاس داری کا فریضہ انجام دیا۔ ان کے ساتھ ساتھ اس میں اُن مسلمان مجاہدوں کے نعروں کی گونج اور تلواروں کی جھنکار بھی سنائی دیتی ہے۔ جن کی مجاہدانہ سرگرمیوں کے نتیجے میں ہند میں اسلام کا نور پھیلا۔ پاکستانی زبانوں میں تخلیق ہونے والا ادب تمام پاکستانیوں کی مشترکہ میراث ہے۔

یوں تو پاکستان میں بولی جانے والی ہر زبان اہمیت کی حامل ہے لیکن اپنے دائرہ اثر کے اعتبار سے پشتو، پنجابی، سندھی، بلوچی، ہندکو، سرائیکی اور کشمیری زبانیں یہاں کی بڑی زبانوں میں شمار ہوتی ہیں۔ شمالی علاقوں اور چترال کی زبانیں بھی قابلِ قدر ادبی سرمایہ رکھتی ہیں۔ پاکستانی زبانوں میں پشتو، پنجابی، سندھی اور بلوچی نہ صرف یہ کہ پاکستانی آبادی کے وسیع حصے کی زبانیں ہیں بلکہ ان کا قدیم وجدید ادب بھی معیار و مقدار کے لحاظ سے خاصا وقیع ہے۔ سندھ کے شاہ عبداللطیف بھٹائی اور سچل سرمست، پنجاب کے سلطان باہو، وارث شاہ اور بلھے شاہ، سرحد (خیبر پختونخوا) کے خوشحال خان خٹک اور رحمان بابا، بلوچستان کے جام درک اور مست توکلی، پاکستانی ادب کی وہ عظیم شخصیات ہیں جن کے شاعرانہ کارناموں پر ہر پاکستانی کو بجا طور پر فخر ہے۔ پاکستان میں بولی جانے والی زبانیں بیشتر ایک ہی اصل کی مختلف شاخیں ہیں۔ ان کا تعلق زبانوں کے اُس وسیع سلسلے سے ہے جو اصطلاح میں ہند آریائی زبانیں کہلاتی ہیں۔ جغرافیائی صورتِ حال اور مرورِ زمانہ کے باعث ان میں تغیرات پیدا ہوتے گئے اور ظاہری ہیئت میں وہ ایک دوسرے سے مختلف ہوتی چلی گئیں۔ مسلمانوں کے دور میں ان زبانوں کے ذخیرہ الفاظ میں بے حد اضافہ ہوا اور اسلامی اثرات کے تحت ان کے بنیادی مزاج میں نمایاں تبدیلیاں ظہور میں آئیں۔ پاکستان کی یہ زبانیں باہم گہرے تاریخی رشتوں میں پیوست ہیں ان کے ماضی کی طرح ان کا حال بھی انھیں ایک دوسرے سے وابستہ کیے ہوئے ہے۔

ہم علاقائی طور پر سرحدی (خیبر پختون خوا کے) ہوں یا پنجابی، سندھی ہوں یا بلوچ۔۔۔۔۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ ہم سب پاکستانی ہیں یہ رشتہ ہمارے تمام نسلی علاقائی اور لسانی رشتوں پر فوقیت رکھتا ہے۔ اس رشتے سے ہم پر واجب ہے کہ ہم پاکستان کی سبھی زبانوں کا احترام کریں انھیں اپنی زبانیں سمجھیں اور انھیں ایک دوسرے سے قریب لانے میں کوشاں ہوں۔ ظاہر ہے کہ ہم یہ کوشش زبان ہی کے ذریعے کر سکتے ہیں اور وہ ہماری قومی زبان اردو ہے۔

اردو ہی پاکستان کی وہ واحد زبان ہے جو ہمارے کسی ایک علاقے کی زبان نہ ہوتے ہوئے بھی سبھی کی زبان ہے۔ پاکستان کے تمام علاقوں میں یکساں سمجھی، بولی، پڑھی اور لکھی جاتی ہے۔ اس کے علمی وادبی سرمائے میں پاکستان کے ہر علاقے کے باشندوں نے مقدور بھر اضافہ کیا ہے۔ کوئی علاقہ ایسا نہیں جہاں اردو کے شاعر اور ادیب موجود نہ ہوں۔ اس زبان کی ہمہ گیری و ہر دل عزیزی کا اندازہ اس امر سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ پاکستان کے ہر صوبے کو دعویٰ ہے کہ اردو اس کے ہاں پیدا ہوئی۔ اس ضمن میں ہمارے محققین نے بڑا قابلِ قدر کام کیا ہے۔ پنجاب میں اردو، سندھ میں اردو، سرحد (خیبر پختون خوا) میں اردو اور بلوچستان میں اردو کے عنوانات کے تحت متعدد کتابیں اور طویل مضامین تحریر ہوئے۔ جن سے اردو زبان کی تاریخ کے بارے میں اہم معلومات حاصل ہوتی ہیں اس طرح مقامی زبانوں اور اردو کے لسانی روابط پر بھی خاصی تحقیق ہو چکی ہے۔

اردو ادب نے دیگر پاکستانی زبانوں کے ادب پر بھی گہرے اثرات ڈالے۔ ان زبانوں کی جدید نثر اور نظم میں اردو ادب سے خاصا استفادہ کیا گیا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ ان زبانوں کا ادب، اردو ادب کو بھی متاثر کر رہا ہے۔ نہ صرف یہ کہ ان زبانوں کے ادب کا ایک بڑا حصہ اردو میں منتقل ہو چکا ہے بلکہ اردو کے ذخیرہ الفاظ میں ان زبانوں کے الفاظ کی آمیزش سے خوش گوار اضافہ بھی ہوا ہے۔ اردو میں اب وہ لب ولہجہ پیدا ہو رہا ہے جسے ہم خالصتاً پاکستانی لب ولہجہ کہ سکتے ہیں۔

آئین کی رو سے اردو پاکستان کی قومی اور سرکاری زبان ہے۔ اس زبان نے جہاں تخلیقِ پاکستان میں اہم کردار ادا کیا ہے وہاں یہ وطن عزیز کے مختلف علاقوں کے مابین رابطے کا اہم ذریعہ بھی ہے یوں یہ زبان وحدتِ پاکستان کی ضامن بھی قرار پائی ہے۔

ڈاکٹر ممتاز منگلوری (پیدائش ۱۹۳۶ء)

ڈاکٹر ممتاز احمد خاں کی بنیادی طور پر اردو کے استاد اور ماہر لسانیات بھی ہیں۔ انھوں نے ۱۹۸۰ء میں آر-این کالج حاجی پور میں لکچرر اردو ذمہ داریاں سنبھالیں۔ ۱۹۹۴ء میں آپ کی بہ طور ایسوسی ایٹ پروفیسر ترقی ہوئی اور آپ کا تبادلہ یونیورسٹی ڈپارٹمنٹ آف اردو مظفر پور میں ہو گیا جہاں سے وہ اسی عہدے سے دسمبر ۲۰۱۸ء میں سبکدوش ہوئے۔ ان کے تنقیدی مضامین کا پہلا مجموعہ "ادب اور ادبی رویہ" کے نام سے ۱۹۹۰ء میں شائع ہوا۔ پھر ان کے تنقیدی مضامین کے مجموعے "متاعِ لوح و قلم" اور "متاعِ نقد و نظر" کے نام سے شائع ہوئے۔ انھوں نے علامہ محمد اقبال پر متعدد مضامین لکھے۔ "اقبال شاعر و دانشور" کے نام سے ان کی کتاب ۲۰۱۳ء میں شائع ہوئی۔ یہی کتاب مناسب ترمیم و اضافے کے بعد ۲۰۱۸ء میں نئی دہلی سے دوسری بار شائع ہوئی۔

مشق

۱۔ کالج لائبریری سے چینی لوک کہانیاں، عربی لوک کہانیاں اور ایرانی لوک کہانیوں کی کتابیں جاری کروائیں۔ عالمی ثقافتوں، معاشرتی، معاشی و سماجی رابطوں کے لیے پڑھی گئی ان تحاریر سے ان علاقوں کی معلومات اخذ کریں۔

۲۔ درج ذیل سوالات کے مختصر جواب تحریر کریں۔

ا۔ ایک مہذب معاشرے میں زبان کی کیا اہمیت ہوتی ہے؟

ب۔ پاکستانی زبانوں کی ترویج میں صوفیا کرام کا کیا کردار رہا ہے؟

ج۔ اردو کو قومی زبان کا درجہ کیوں دیا گیا ہے؟

د۔ پاکستانی زبانیں ہم اصل ہونے کے باوجود اتنی متنوع کیوں ہیں؟

ہ۔ پاکستان میں لسانی ہم آہنگی کیسے پیدا جا سکتی ہے؟

۳۔ "موسمیاتی/ماحولیاتی تبدیلیاں" کے علمی موضوع پر کالج اسمبلی میں اپنے مطالعے تجربے اور مشاہدے کی روشنی میں استدلال، درست تلفظ اور عمدہ لہجے کے ساتھ زبانی تقریر کریں۔

۴۔ شامل نصاب سبق "پاکستانی زبانیں اور ان کا باہمی رشتہ" کے تیسرے پیراگراف کو طلبہ باری باری دہرائیں۔ اس پر حوالوں اور دلائل کے ساتھ تبصرہ کریں۔

۵۔ درج ذیل اقتباس کو غور سے پڑھیں اور اصل معانی و مفہوم اور مقصد کو سامنے رکھتے ہوئے اردو ترجمہ کریں۔

After the creation of Pakistan in 1947, Urdu was chosen to be the national language of the new country. Today Urdu is spoken in many countries around the world , including Britain, Canada, the USA, the Middle East and India. In fact there are more Urdu speakers in India than there are in Pakistan.

۶۔ شفیع عقیل کی ترجمہ شدہ، چینی، جاپانی اور ایرانی لوک کہانیاں میں سے کوئی ایک کتاب لائبریری سے جاری کروائیں اور اس ملک کی لوک کہانیوں کا مطالعہ کر کے عالمی ادب سے واقفیت حاصل کریں اور اُن کے رہن سہن، لباس، عادات و اطوار، مختلف مذہبی و ثقافتی تہواروں کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے ان کا اپنی تہذیب و ثقافت سے موازنہ کریں اور ان میں دی گئی مختلف معلومات حاصل کریں۔

۷۔ درج ذیل اخباری خبر/ رُوداد کو پڑھیں اور اسے اپنے الفاظ میں تحریر کریں تاکہ یوم قائد کے حوالے سے آپ کے الفاظ کی ترجمانی ہو سکے۔

قائداعظم کا یوم پیدائش ملی جوش و جذبے سے منایا گیا، مزار پر گارڈز تبدیلی کی تقریب (26 دسمبر، 2023)

اسلام آباد، کراچی (وقائع نگار، نمائندہ خصوصی) بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح کا 147 واں یوم پیدائش ملی جوش و جذبے سے منایا گیا۔ دن کا آغاز وفاقی اور صوبائی دارالحکومتوں میں توپوں کی سلامی سے ہوا، مزار قائد پر گارڈز کی تبدیلی کی تقریب ہوئی۔ اس موقع پر پاکستان ملٹری اکیڈمی کاکول کے چاق و چوبند دستے نے مزار قائد پر گارڈز کے فرائض سنبھال لیے، بانی پاکستان کو قوم کی جانب سے سلامی پیش کی گئی اور قومی ترانہ پڑھا گیا۔ عوام کی بڑی تعداد قائد کی جائے پیدائش وزیر مینشن پر موجود رہی۔ انھوں نے قائد کے زیر استعمال اشیا دیکھ کر اپنی عقیدت کا اظہار کیا۔ بعدازاں صدر مملکت عارف علوی، نگران وزیراعلیٰ سندھ مقبول باقر اور گورنر سندھ کامران ٹیسوری نے مزار قائد پر حاضری دی، صدر نے پھول رکھے اور فاتحہ خوانی کی اور مہمانوں کی کتاب میں اپنے تاثرات بھی قلمبند کیے۔ ملک بھر میں سیمینارز، کانفرنسز اور تقاریب کا انعقاد بھی کیا گیا۔

۸۔ جملے کی ساخت، بناوٹ، روزمرہ اور محاورے کے لحاظ سے درج ذیل غلط فقرات/ جملوں کی درستی کریں۔

۔میں نے کراچی جانا ہے	۔آئے روز کا ادھار ٹھیک نہیں
۔موسم برسات کے اوپر مضمون لکھو	۔کوہ ہمالیہ کا پہاڑ بہت بلند ہے
۔میں نے آب زم زم کا پانی پیا	۔آپ کی خیریت نیک مطلوب چاہتا ہوں
۔وہ بہت جھوٹ مارتا ہے	۔آسمان سے گرا دیوار میں اٹکا
۔اونٹ کے منھ میں ناریل	۔گدھے بیچ کر سونا
۔لال سرخ ہونا	۔سوسنار کی دو لوہار کی

۹۔ واحد جمع (جمع مکسر اور جمع سالم) یا جمع الجمع:

وہ لفظ جو فقط ایک شخص، شے یا جگہ کے لیے استعمال ہو۔ واحد کہلاتا ہے۔

مثلاً: امیر۔ اخبار۔ مسجد وغیرہ، واحد کہلاتا ہے۔

وہ لفظ ایک سے زیادہ اشخاص، اشیا یا جگہوں کے لیے استعمال ہو "جمع" کہلاتا ہے۔ مثلاً امرا، اخبارات، مساجد وغیرہ

جمع کی صورتیں

جمع کی درج ذیل صورتیں ہیں۔

جمع مکسر، جمع سالم، تثنیہ، جمع الجمع

جمع مکسر: واحد سے جمع بناتے ہوئے واحد کی صورت بالکل بدل جائے تو اسے جمع مکسر کہتے ہیں۔ مثلاً: تجویز سے تجاویز، منظر سے مناظر وغیرہ

جمع سالم: واحد سے جمع بناتے وقت واحد کے حروف میں کسی قسم کی تبدیلی نہ ہو تو اسے جمع سالم کہیں گے۔ مثلاً: ماہر سے ماہرین، مجاہد سے مجاہدین وغیرہ۔

تثنیہ: عربی زبان میں دو چیزوں کے لیے جمع کی ایک الگ صورت استعمال کی جاتی ہے، اسے تثنیہ کہتے ہیں۔ مثلاً: والد سے والدین، عید سے عیدین وغیرہ

جمع الجمع: کسی واحد سے جمع کی جمع کو ''جمع الجمع'' کہتے ہیں۔

مثلاً: خبر سے اخبار، اخبار سے اخبارات، لقب سے القاب، القاب سے القابات۔

❖ مندرجہ ذیل الفاظ کے جمع لکھیں۔ (جمع مکسر جمع سالم اور تثنیہ) اس کے علاوہ جن الفاظ کی جمع الجمع بن سکتی ہے بنائیں اور جملوں میں استعمال کریں۔

حاضر، احسان، امام، مضمون، سید، قطب، دار، شجر، محاورہ ، نادر، نور، دو، اکبر، وجہ

مضمون نگاری

اردو نثر میں مضمون کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔ کسی موضوع پر اپنے افکار و خیالات اور جذبات کو مربوط اور مدلل انداز میں لکھنا اور اپنی رائے کا اظہار کرنا مضمون نویسی کہلاتا ہے۔ مضمون لکھتے وقت کچھ اصول و ضوابط کا خیال رکھنا پڑتا ہے جن کو پیش نظر رکھتے ہوئے علمی، ادبی، سیاسی، مذہبی، سنجیدہ یا مزاحیہ موضوعات کو احاطہ تحریر میں لایا جاسکتا ہے۔ مضمون تین حصوں پر مشتمل ہوتا ہے:

(i)۔ تمہید یا تعارف (ii)۔ اصل مضمون / نفس مضمون / متن (iii)۔ اختتام یا ذاتی رائے

سرگرمی

اپنے پسندیدہ ٹی وی چینل پر پیش کیے جانے والے اخلاقی، معاشی، معاشرتی اور ثقافتی موضوع پر کوئی ڈرامہ دیکھیں اور اپنے والدین کی رہ نمائی میں اس پر استحسانی و تنقیدی نکات تحریر کریں اور ان نکات کو اپنی جماعت کے دیگر ساتھیوں کے سامنے بیان کریں۔

ہدایات برائے اساتذہ کرام

- طلبہ کو مادری زبان کی اہمیت کے بارے میں بتائیں اور مختلف زبانوں کے درمیان لسانی ہم آہنگی پیدا کرنے کے لیے ان کی رہ نمائی کریں۔
- تنقیدی اور استحسانی گفتگو کرنا سکھائیں۔

رشید احمد صدیقی (۱۸۹۴ء-۱۹۷۷ء)

۱۰ چارپائی

اس سبق کی تدریس کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

- کلام/ابیات کو آغاز/درمیان سے سن کر نظم و نثر کے مرکزی خیال، نکتے یا تصور تک رسائی حاصل کر کے سیاق و سباق کو سمجھ سکیں اور موضوع بیان کر سکیں۔
- افسانوی اور غیر افسانوی انتخاب پڑھ کر اس میں موجود معلومات اخذ کرتے ہوئے استعمال کر سکیں۔
- عبارت کو درست تلفظ، لب و لہجے، اتار چڑھاؤ اور ضرورت کے مطابق تاثر کے ساتھ پڑھ سکیں۔
- مضمون نویسی کے مختلف انداز (بیانیہ، مدلل، بحثی، تفصیلی، تنقیدی و تحقیقی) کو مد نظر رکھتے ہوئے مختلف موضوعات کو قلم بند کر سکیں۔
- معلوماتی کتب، قاموس مترادفات، انٹرنیٹ، انسائیکلوپیڈیاز وغیرہ سے حوالہ جاتی مواد تلاش کر کے بر محل استعمال کر سکیں۔
- تذکیر و تانیث کی فہم رکھتے ہوئے زبان میں ہونے والی تبدیلیوں کو روز مرہ گفتگو اور تحریر و تخلیق میں لکھ سکیں۔
- محاورات اور ضرب الامثال کے استعمال سے تخلیقی تحاریر میں معنویت اور معیار کو بڑھا سکیں۔

پڑھئیں

چارپائی اور مذہب ہم ہندوستانیوں کا اوڑھنا بچھونا ہے۔ ہم اسی پر پیدا ہوتے ہیں اور یہیں سے مدرسہ، آفس، جیل خانے کو نسل یا آخرت کا راستہ لیتے ہیں۔ چارپائی ہماری گھٹی میں پڑی ہوئی ہے۔ ہم اس پر دوا کھاتے ہیں۔ دعا اور بھیک بھی مانگتے ہیں۔ کبھی فکر سخن کرتے ہیں اور کبھی فکر قوم، اکثر فاقہ کرنے سے بھی باز نہیں آتے۔ ہم کو چارپائی پر اتنا ہی اعتماد ہے جتنا شاعر کو قافیے پر یا طالب علم کو غل غپاڑے پر۔

ہندوستانی گھرانوں میں چارپائی کو ڈرائنگ روم، سونے کا کمرہ، غسل خانہ، قلعہ، خانقاہ، خیمہ، دواخانہ، صندوق، کتاب گھر، شفاخانہ، سب کی حیثیت کبھی کبھی بہ یک وقت ورنہ وقت وقت پر حاصل رہتی ہے۔ کوئی مہمان آیا۔ چارپائی نکالی گئی۔ اس پر ایک نئی دری بچھادی گئی جس کی تہہ کے نشان ایسے معلوم ہوں گے جیسے کسی چھوٹی سی اراضی کو مینڈوں اور نالیوں سے بہت سے مالکوں میں بانٹ دیا گیا ہے اور مہمان صاحب مع اچکن، ٹوپی، بیگ بغچی کے بیٹھ گئے اور تھوڑی دیر کے لیے یہ معلوم کرنا دشوار ہو گیا کہ مہمان بیوقوف ہے یا میزبان بد نصیب! چارپائی ہی پر ان کا منہ ہاتھ دھلوایا اور کھانا کھلایا جائے گا اور اسی چارپائی پر یہ سو رہیں گے۔

چارپائی پر سوکھنے کے لیے اناج پھیلایا جائے گا۔ جس پر تمام دن چڑیاں حملے کرتی دانے چگتی اور گالیاں سنتی رہیں گی۔ کوئی تقریب ہوئی تو بڑے پیمانے پر چارپائی پر آلو چھیلے جائیں گے۔ ملازمت میں پنشن کے قریب ہوتے ہیں تو جو کچھ رخصت جمع ہوئی رہتی ہے اس کو لے کر ملازمت سے سبکدوش ہو جاتے ہیں۔ اس طرح چارپائی پنشن کے قریب پہنچتی ہے تو اس کو کسی کال کوٹھری میں داخل کر دیتے ہیں اور اس پر سال بھر کے پیاز کا ذخیرہ جمع کر دیا

جاتا تھا۔ ایک دفعہ دیہات کے ایک میزبان نے پیاز ہٹا کر اس خاکسار کو ایسی ہی ایک پنشن یافتہ چارپائی پر اسی کال کوٹھری میں بچھا دیا تھا اور پیاز کو چارپائی کے نیچے اکٹھا کر دیا گیا تھا۔ اس رات کو مجھ پر آسمان کے اتنے ہی طبق روشن ہو گئے تھے جتنے ساری پیازوں میں چھلکے تھے اور یقیناً چودہ سے زیادہ تھے۔

چارپائی ایک اچھے بکس کا بھی کام دیتی ہے۔ تکیہ کے نیچے ہر قسم کی گولیاں جن کے استعمال سے آپ کے سوا کوئی اور واقف نہیں ہوتا۔ ایک آدھ روپیہ، چند دھیلے پیسے، اسٹیشنری، کتابیں، رسالے، جاڑے کے کپڑے، تھوڑا بہت ناشتا، نقش سلیمانی، فہرست دواخانہ، سمن، جعلی دستاویز کے کچھ مسودے۔ یہ سب چارپائی پر لیٹے لیٹے ان میں سے ہر ایک کو اجالا ہو یا اندھیرا اس صحت کے ساتھ آنکھ بند کر کے نکال لیتے اور پھر رکھ دیتے جیسے حکیم نابینا صاحب مرحوم اپنے لمبے چوڑے بکس میں سے ہر مرض کی دوائیں نکال لیتے اور پھر رکھ دیتے۔

حکومت بھی چارپائی ہی پر سے ہوتی ہے۔ خاندان کے کرتا دھرتا چارپائی ہی پر براجمان ہوتے ہیں۔ وہیں سے ہر طرح کے احکام جاری ہوتے رہتے ہیں اور ہر گناہ گار کو سزا بھی وہیں سے دی جاتی ہے۔ آلات سزا میں ہاتھ پاؤں۔ زبان کے علاوہ ڈنڈا، جوتا بھی ہیں جنھیں اکثر پھینک کر مارتے ہیں۔ یہ اس لیے کہ توقف کرنے میں غصہ کا تاؤ مدھم نہ پڑ جائے اور ان آلات کو مجرم پر استعمال کرنے کے بجائے اپنے اوپر استعمال کرنے کی ضرورت نہ محسوس ہونے لگے۔

چارپائی ہی کھانے کا کمرہ بھی ہوتی ہے۔ باورچی خانے سے کھانا چلا اور اس کے ساتھ پانچ سات چھوٹے بڑے بچے اتنی ہی مرغیاں، دو ایک کتے، بلی اور بے شمار مکھیاں آپہنچیں۔ سب اپنے قرینے سے بیٹھ گئیں۔ صاحب خانہ صدر دستر خوان ہیں۔ ایک بچہ زیادہ کھانے پر مار کھاتا ہے دوسرا بدتمیزی سے کھانے پر تیسرا کم کھانے پر چوتھا زیادہ کھانے پر اور بقیہ اس پر کہ ان کو مکھیاں کھائے جاتی ہیں۔ کوئی چیز خواہ کسی قسم کی ہو کہیں گم ہوئی ہو ہندوستانی اس کی تلاش کی ابتدا چارپائی سے کرتا ہے اس میں ہاتھی، سوئی، بیوی، بچے موزے، مرغی چور کسی کی تخصیص نہیں۔ رات میں کھٹکا ہوا اس نے چارپائی کے نیچے نظر ڈالی۔ خطرہ بڑھا تو چارپائی کے نیچے پناہ لی۔ زندگی کی شاید ہی کوئی ایسی سرگرمی ہو جو چارپائی یا اس کے آس پاس نہ انجام پائی ہو۔

چارپائی ہندوستان کی آب و ہوا تمدن و معاشرت ضرورت اور ایجاد کا سب سے بھرپور نمونہ ہے۔ شعرا نے انسان کی خوشی اور خوشحالی کے لیے کچھ باتیں منتخب کر لی ہیں مثلاً سچے دوست، شرافت فراغت اور گوشۂ چمن ہندوستان جیسے غریب ملک کے لیے عیش و فراغت کی فہرست اس سے مختصر ہونی چاہیے۔ میرے نزدیک تو صرف ایک چارپائی ان تمام لوازم کو پورا کر سکتی ہے۔

بانوں کی ٹوٹی ہوئی چارپائی جسے کٹّے (مکئی) کے کھیت میں بطور مچان باندھ دیا گیا ہے۔ ہر طرف جھومتے لہلہاتے کھیت ہیں۔ بارش نے گردوپیش کو شگفتہ و شاداب کر دیا ہے۔ دور دور جھیلیں جھمکتی، جھلکتی نظر آتی ہیں جن میں طرح طرح کے آبی جانور اپنی اپنی بولیوں سے برسات کی علمداری اور مزیداری کا اعلان کرتے ہیں۔ مچان پر بیٹھا ہوا کسان کھیت کی رکھوالی کر رہا ہے اس کے یہاں نہ آسائش ہے۔ نہ آرائش نہ عشق و عاشقی، نہ علم و فضل نہ دولت و اقتدار لیکن یہ سب چارپائی پر بیٹھے ہوئے اسی کسان کی محنت کا کرشمہ ہیں۔ پھر ایک دن آئے گا جب اس کی پیداوار کو چور، مہاجن یا زمیندار لوٹ لیں گے اور اسی چارپائی پر اس کو سانپ ڈس لے گا اور قصہ پاک ہو جائے گا۔

برسات ہی کا موسم ہے۔ گاؤں میں آموں کا باغ کبھی دھوپ کبھی چھاؤں، کوئل کوکتی ہے ہوا لہکتی ہے۔ گاؤں میں لڑکے لڑکیاں دھوم مچا رہی ہیں۔ کہیں کوئی پکا ہوا آم ڈال سے ٹوٹ کر گرتا ہے۔ سب کے سب جھپٹتے ہیں۔ جس کو مل گیا وہ ہیرو بن گیا۔ جس کو نہ ملا اس پر سب نے ٹھٹھے لگائے۔ یہی لڑکے لڑکیاں جو اس وقت کسی طرح قابل التفات نظر نہیں آتے کسے معلوم آگے چل کر زمانہ اور زندگی کی کن نیرنگیوں کو اجاگر کریں گے کتنے فاقے کریں گے کتنے فاتح بنیں گے کتنے نامور اور نیک نام کتنے گمنام و نافرجام اور یہ خاکسار ایک کھری چارپائی پر اس باغ میں آرام فرما رہا ہے۔ چارپائی باغبان کی

ہے۔ باغ کسی اور کا ہے۔ لڑکے لڑکیاں گاؤں کی ہیں۔ میرے حصہ کا صرف آم ہے۔ ایسے میں جو کچھ دماغ میں نہ آئے تھوڑا ہے۔ یا جو تھوڑا دماغ میں ہے وہ بھی نکل جائے تو کیا تعجب!

پھر عام تصور میں ایسی کائنات تعمیر کرنے لگتا ہوں جو صرف میرے لیے ہے جو میرے ہی اشارے پر بنتی بگڑتی ہے۔ اپنے مخلوق ہونے کا وہم بھی نہیں گزرتا۔ نہ اس کا خیال کہ زمانہ کسے کہتے ہیں نہ اس کی پروا کہ زندگی کیا ہے۔ دوسروں کو ان کا اسیر دیکھ کر چونک پڑتا ہوں۔ پھر یہ محسوس کرکے کہ میں ان لوگوں سے اور خود زمانے اور زندگی سے علیحدہ بھی ہوں۔ اونگھنے لگتا ہوں۔ ممکن ہے اونگھنے میں پہلے سے مبتلا ہوں۔

ماخوذ:۔ مضامینِ رشید، ص: 93، مطبوعہ: انجمن ترقی اردو ہند، علی گڑھ۔

رشید احمد صدیقی (۱۸۹۴ء۔۱۹۷۷ء)

رشید احمد صدیقی یوپی کے ضلع جونپور کے ایک گاؤں مڑیا میں 1894ء میں پیدا ہوئے۔ میٹرک تک جونپور میں رہے، پھر اعلیٰ تعلیم کے لیے علی گڑھ آ گئے۔ مالی حالت سے مجبور ہو کر کچہری میں ملازمت کرنے پر مجبور ہو گئے۔ چنانچہ ملازمت کے ساتھ ساتھ تعلیم بھی جاری رکھی اور فارسی میں ایم اے کیا۔ آپ نے طالب علمی کے زمانے سے مزاحیہ مضامین لکھنا شروع کیے۔ علی گڑھ میگزین کے ایڈیٹر رہے۔ 1922ء میں وہیں کالج میں پروفیسر ہو گئے اور جب یونیورسٹی بنی اور اردو ادبیات کا شعبہ قائم ہوا تو رشید احمد صدیقی کو صدر شعبہ بنا دیا گیا۔ وہ شعر و ادب کا بڑا ستھرا ذوق رکھتے ہیں ادب کے بڑے اچھے استاد ہیں ان کی زندگی شرافت اور اعلیٰ اخلاقی اقدار کا بہترین نمونہ ہے۔ 1977ء میں ان کا انتقال ہوا۔ مضامینِ رشید، خنداں، گنج ہائے گرانمایہ، طنزیات و مضحکات، اردو طنز و مزاح کی تنقیدی تاریخ

مشق

۱۔ درج ذیل سوالات کے مختصر جواب تحریر کریں۔

الف۔ ہندوستانی چارپائی کو کس کام میں لاتے ہیں؟

ب۔ چارپائی کے ذریعے کس طرح مہمان نوازی کی جاتی ہے؟

ج۔ مصنف نے چارپائی کو بکس سے کیوں تشبیہ دی ہے؟

د۔ مچان کس کام آتا ہے؟

ہ۔ برسات کے موسم میں گاؤں کا منظر کیسا ہوتا ہے؟

۲۔ ایک طالب علم درج ذیل عبارت کو درست تلفظ، لب و لہجے، اتار چڑھاؤ اور ضرورت کے مطابق تاثر سے بلند خوانی کرے جب کہ باقی طلبہ عمدہ سامع کے طور پر الفاظ، جملوں کے تلفظ، آہنگ اور ادائی سے شعوری طور پر لطف اندوز ہوتے ہوئے باری باری اپنی اپنی رائے دیں۔

"حکومت بھی چارپائی ہی پر سے ہوتی ہے۔ خاندان کے کرتا دھرتا چارپائی ہی پر براجمان ہوتے ہیں۔ وہیں سے ہر طرح کے احکام جاری ہوتے رہتے ہیں اور ہر گنہگار کو سزا بھی وہیں سے دی جاتی ہے۔ آلات سزا میں ہاتھ پاؤں، زبان کے علاوہ ڈنڈا، جوتا، تاملوٹ بھی ہیں جنھیں اکثر پھینک کر مارتے ہیں۔ یہ اس لیے کہ توقف کرنے میں غصے کا

تاؤ مدہم نہ پڑ جائے اوان آلات کو مجرم پر استعمال کرنے کی بجائے اپنے اوپر استعمال کرنے کی ضرورت محسوس نہ ہونے لگے۔"

۳۔ درج ذیل اقتباس سبق 'چار پائی' کے آغاز سے لیا گیا ہے۔ ایک طالب علم اس کی درست تلفظ کے ساتھ بلند خوانی کرے۔ باقی طلبہ اسے سن کر اس کے مرکزی خیال، نکتے یا تصور تک رسائی حاصل کر کے سیاق و سباق سمجھیں اور موضوع کو بیان کریں۔

"چار پائی اور مذہب ہم ہندوستانیوں کا اوڑھنا بچھونا ہے۔ ہم اسی پر پیدا ہوتے ہیں اور یہیں سے مدرسہ، آفس، جیل خانے، کونسل خانے یا آخرت کا راستہ لیتے ہیں۔ چار پائی ہماری گھٹی میں پڑی ہوئی ہے۔ ہم اس پر دوا کھاتے ہیں۔ دعا اور بھیک بھی مانگتے ہیں۔ کبھی فکر سخن کرتے ہیں اور کبھی فکر قوم، اکثر فاقہ کرنے سے بھی باز نہیں آتے۔ ہم کو چار پائی پر اتنا ہی اعتماد ہے جتنا شاعر کو قافیے پر یا طالب علم کو غل غپاڑے پر۔"

۴۔ سبق چار پائی کو غور سے پڑھیں اور اس میں دی گئی معلومات کو اخذ کرتے ہوئے اپنی روز مرہ زندگی میں تلاش کریں۔

۵۔ ضرب المثل، محاورہ، روز مرہ

i۔ ضرب المثل: یہ ایک مکمل جملہ ہوتا ہے اور کسی واقعے کو بتانے اور اس پر مہر تائید ثبت کرنے کا ایک نرالہ انداز ہے جس سے گفتگو اور کلام میں چاشنی پیدا ہوتی ہے اور مضمون نہایت عمدہ ہو جاتا ہے۔ ضرب المثل کو کہاوت بھی کہتے ہیں۔ جیسے: انگور کھٹے ہیں۔

ii۔ محاورہ: دو یا دو سے زائد الفاظ جو حقیقی کی بجائے مجازی معنوں میں استعمال ہوں محاورہ کہلاتا ہے۔ مثلاً: آنکھیں دکھانا، آسمان سے باتیں کرنا۔

iii۔ روز مرہ: دو یا دو سے الفاظ کا مجموعہ جو اہلِ زبان کی بول چال کے مطابق حقیقی معنوں میں استعمال ہو۔ مثلاً: بھارت آئے دن کشمیریوں پر ظلم ڈھاتا ہے۔ اس جملے میں آئے دن، درست روز مرہ ہے۔ اگر اس کی جگہ "آئے روز" لکھیں گے تو غلط ہوگا۔ اسی طرح روز بہ روز، پانچ سات وغیرہ۔

❖ **درج ذیل روز مرہ، محاورات اور ضرب الامثال کو جملوں میں استعمال کریں تاکہ تخلیقی تحاریر میں استعمال کرنا سیکھ سکیں۔**

۔نو سو چوہے کھا کے بلی حج کو چلی	۔آسمان سے باتیں کرنا	۔نہ نو من تیل ہوگا نہ رادھا ناچے گی	
۔آپے سے باہر ہونا	۔بڑی ٹیڑھی کھیر ہے	۔غم کھانا	۔بندر بانٹ
۔سبز باغ دکھانا	۔چور کی داڑھی میں تنکا	۔اپنے منہ میاں مٹھو بننا	

۶۔ تذکیر و تانیث (اسما اور ضمائر): تذکیر و تانیث

تذکیر و تانیث کی دو قسمیں ہیں: حقیقی اور غیر حقیقی

حقیقی تذکیر و تانیث میں جنس کی صرف دو ہی قسمیں ہیں یعنی نر (مذکر)، مادہ (مؤنث)

یہ تذکیر و تانیث جان داروں کے لحاظ سے کی گئی ہے اور اس کی پہچان اور تمیز آسان ہے۔

بے جان چیزوں میں تذکیر و تانیث کوئی شے نہیں۔ یعنی ان میں نر اور مادہ کا تصویر موجود نہیں ہے۔

قواعد میں الفاظ سے بحث ہوتی ہے، اس کے علاوہ جان داروں کی تذکیر و تانیث بھی قطعی قاعدوں کے تحت نہیں آتی۔ جن ہندی الفاظ کے آخر میں "الف" ہوگا وہ مذکر ہوں گے۔ مثلاً: لڑکا، گھوڑا وغیرہ۔

عربی میں بہت سے الفاظ ایسے ہیں جن کے آخر میں "ہ" آتی ہے اور وہ الفاظ کی مؤنث ہیں: مثلاً: والدہ، ملکہ وغیرہ

جن ہندی الفاظ کے آخر میں "یائے معروف" ہوتی ہے وہ مؤنث ہوتے ہیں: لڑکی، گھوڑی وغیرہ لیکن ایسے پیشہ وروں کے نام جن کے آخر میں "ی" معروف آئے، اُن پر یہ فارمولہ نہیں لگتا۔ جیسے: دھوبی، موچی وغیرہ

یا وہ الفاظ بھی اس ضمن میں نہیں آتے جن کے آخر میں "یائے نسبتی" آتا ہے۔ مثلاً: پنجابی، پہاڑی وغیرہ۔

یہ بھی عام سا قاعدہ ہے کہ مذکر کے آخری "ا" یا "ہ" کو یائے معروف سے بدل دینے سے مؤنث بن جاتا ہے۔ جہاں پیشہ وروں کے نام کے آخر میں "ی" (معروف) ہو اور اسے "ن" سے بدل دیا جائے تو وہ مؤنث ہو جاتا ہے۔

❖ جملے بنا کر الفاظ کی تذکیر و تانیث واضح کریں۔

کشتی، اُردو، منگل، بدھ، لوہا، نانگا پربت، زمین، چاند، چوں چوں

سرگرمی

- مضمون نویسی کے مختلف اندازِ بیان کو مدِ نظر رکھتے ہوئے درج ذیل موضوعات پر مضمون قلم بند کریں۔ اس سلسلے میں معلوماتی کتب، قاموس مترادفات، انٹرنیٹ، انسائیکلوپیڈیا اور لغات وغیرہ سے حوالہ جاتی مواد حاصل کر کے اس کا برمحل استعمال کریں۔

الف۔ نوجوانوں پر سوشل میڈیا کے اثرات   ب۔ میرا پسندیدہ ناول نگار

ہدایات برائے اساتذہ کرام

- طلبہ کو اردو زبان و ادب میں انشائیہ نگاری کے آغاز و ارتقا کے بارے میں معلومات دیجیے اور چند مشہور انشائیہ نگاروں کی تحاریر پڑھنے کی تلقین کیجیے۔
- سبق خوانی سے پیشتر طلبہ کو کسی بھی رسمی و غیر رسمی تحریر (کالم، خبر، رپورٹ، تبصرہ، تذکرہ، تجزیہ وغیرہ) کی جزئیات نگاری کرنا سمجھائیں تاکہ طلبہ خود بھی اس پر تنقید و تبصرہ کر سکیں۔

حصہ نظم

حفیظ تائب (۱۹۳۱ء۔۲۰۰۴ء)

۱ حمد

اس نظم کی تدریس کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

- منظوم اور منثور کلام سے متعلق اشارات اور اہم نکات سن کر ان کے فہم کا تجزیہ کرتے ہوئے رائے دے سکیں۔
- نظم و نثر کو فہم کے ساتھ پڑھ کر مصنف یا شاعر کی تکنیک، مقصد اور اسلوب پر مبنی سوالات کے جوابات دے سکیں۔
- کلام، بات کے آغاز یا درمیان سے سن کر نظم و نثر کے مرکزی خیال، نکتے یا تصور تک رسائی حاصل کر کے سیاق و سباق کو سمجھ اور موضوع بیان کر سکیں۔
- نظم بہ لحاظ موضوع (حمد، نعت، قومی و ملی نظم، قصیدہ، ہجو، دعا/مناجات، منقبت، مرثیہ، مثنوی) کی شناخت کر سکیں۔
- کسی بھی نظم کو پڑھ کر حوالوں کے ساتھ اس کے اشعار کی تشریح کرتے ہوئے تنقید و تبصرہ کر سکیں۔
- الفاظ و معانی سے واقفیت اور ان کے انتخاب میں لغت اور تھیسارس کا استعمال کر سکیں اور درست تلفظ کے فہم کے لیے اعراب کا استعمال کر سکیں۔

پڑھئیں

کس کا نظام راہ نما ہے افق افق
جس کا دوام گونج رہا ہے افق افق

شانِ جلال کس کی عیاں ہے جبل جبل
رنگِ جمال کس کا جما ہے افق افق

مکتوم کس کی موج کرم ہے صدف صدف
مرقوم کس کا حرفِ وفا ہے افق افق

کس کی طلب میں اہلِ محبت ہیں داغ داغ
کس کی ادا سے حشر بپا ہے افق افق

سوزاں ہے کس کی یاد میں تائب نفس نفس
فرقت میں کس کی شعلہ نوا ہے افق افق

(صلوعلیہ وآلہٖ)

حفیظ تائب (۱۹۳۱ء۔ ۲۰۰۴ء)

حفیظ تائب ایک عہد ساز نعت گو تھے۔ آپ کا اصل نام عبد الحفیظ ہے اور تائب تخلص فرمایا کرتے تھے۔ 14 فروری 1931 کو اپنے ننھیال پشاور چھاونی میں آپ کی ولادت ہوئی۔ احمد نگر ضلع گوجرانوالہ آپ کا آبائی شہر ہے۔ آپ کے والد کا نام حاجی چراغ دین منہاس قادری ایک مشہور معلم اور امام و خطیب ہونے کے ساتھ ساتھ ایک ادیب بھی تھے ابتدائی تعلیم ولاور نگر [گکھڑ] میں ہوئی مڈل کی تعلیم احمد نگر کے سکول اور میٹرک زمیندار ہائی سکول گجرات سے کیا۔ زمیندار کالج، گجرات میں ایف ایس نان میڈیکل کے طالب علم ہوئے لیکن ریاضی میں دلچسپی نہ ہونے کی وجہ سے اس خیر آباد کہا اور اپنے ذوق کے مطابق اردو اور پنجابی زبان کی تعلیم حاصل کرتے ہوئے ایف اے اور بی اے کے امتحانات پرائیویٹ پاس کیے۔ 1949 میں واپڈا میں سرکاری نوکری پر بھرتی ہو گئے۔ اور دوران ملازمت 1974 میں پنجاب یونیورسٹی سے ایم۔ اے پنجابی کیا اور 1976 سے 2003 تک مختلف اطوار سے شعبہ پنجابی میں تدریسی فرائض سرانجام دیئے۔ حفیظ تائب کا شمار ان اولین نعت گو شعرا میں ہوتا ہے جنھوں نے پاکستان میں فروغ نعت گوئی میں اہم کردار ادا کیا۔ نعت گوئی میں خدمات سرانجام دینے پر آپ کو تمغا حسن کارکردگی، نقوش ایوارڈ، آدم جی ایوارڈ، ہمدرد فاؤنڈیشن ایوارڈ سمیت کئی اعزازات سے نوازا گیا۔

مشق

۱۔ شاعر کی تکنیک، مقصد اور اسلوب پر مبنی درج ذیل سوالات کے جوابات دیں۔

۱۔ حفیظ تائب کی شاعری کی نمایاں خوبیاں مختصر لکھیے؟

۲۔ حفیظ تائب نے شامل نصاب حمد کس ہیئت میں لکھی ہے، وضاحت کریں۔

۳۔ "شان جلال کس کی عیاں ہے جبل جبل" کا مفہوم واضح کریں۔

۲۔ حفیظ تائب نے اس "حمد" میں اللہ تعالیٰ کی شان بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ کائنات میں اللہ تعالیٰ ہی کے قدرت کے کرشمے بکھرے ہوئے ہیں، بلند و بالا پہاڑ اُسی کے جلال کے نشان ہیں۔ تمام مخلوقات اُسی کی حمد و ثنا کر رہے ہیں اور ہر دل میں اسی کی طلب موج زن ہے۔

شامل نصاب "حمد" کے مندرجہ بالا اشارات و نکات کو ایک طالب علم درست تلفظ سے بلند آواز سے ادا کرے۔ باقی طلبہ ان اشارات اور اہم نکات کے فہم کا تجزیہ کریں۔ اور اپنی رائے دیں۔

۳۔ درج ذیل اشعار کے مرکزی خیال نکتے یا تصور تک رسائی حاصل کر کے سیاق و سباق کو سمجھیے اور موضوع بیان کریں۔

شانِ جلال کس کی عیاں ہے جبل جبل
زنگِ جمال کس کا جما ہے افق افق
کس کی طلب میں اہلِ محبت ہیں داغ داغ
کس کی ادا سے حشر بپا ہے افق افق

۴۔ مندرجہ بالا اشعار شامل نصاب حمد کے درمیان سے لیے گئے ہیں، حوالوں کے ساتھ ان اشعار کی تشریح کریں۔

۵۔ پڑھے گئے درج ذیل اشعار کے متن کو دہراتے ہوئے حوالوں اور دلائل کے ساتھ اظہار رائے کرتے ہوئے متعلقہ حصے پر جزئیات کے ساتھ تبصرہ کریں۔

مکتوم کس کی موج کرم ہے صدف صدف
مرقوم کس کا حرفِ وفا ہے افق افق
سوزاں ہے کس کی یاد میں تائب نفس نفس
فرقت میں کس کی شعلہ نوا ہے افق افق

۶۔ درج ذیل الفاظ کے معانی سے واقفیت اور ان کے انتخاب میں لغت اور تھیسارس کا استعمال کرتے ہیں۔ نیز درست تلفظ کے فہم کے لیے الفاظ پر اعراب کا استعمال کریں۔

اُفق، جبل، رنگ جمال، صدف، مرقوم، مکتوم، حشر

۷۔ اصنافِ شعری:

حمد: ایسی نظم کو کہتے ہیں جس میں اللہ تعالیٰ کی واحدانیت، یکتائی اور صفات کا ذکر ہو۔

نعت: ایسی نظم کو کہتے ہیں جس میں جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوصافِ حمید کا تذکرہ ہو۔

منقبت: ایسی نظم کو کہتے ہیں جس میں صحابہ کرام، بزرگانِ دین اور صوفیائے کرام کی خدمات اور اوصاف کا تذکرہ کیا گیا ہو۔

قصیدہ: ایسی نظم جس میں کسی بادشاہ وغیرہ کی تعریف کی جائے، قصیدہ کہلاتی ہے۔ قصیدے کا بنیادی مقصد اربابِ اقتدار کی خوش نودی حاصل کرنا ہوتا ہے یا محض اُن کی فرمائش پورا کرنے کے لیے قصیدہ لکھا جاتا ہے۔

ملی نغمہ: ایسی نظم کو کہتے ہیں جس میں وطن اور قوم کی محبت، جذبوں اور ولولوں کا ذکر ہو۔

مرثیہ: ایسی نظم کو کہتے ہیں جس میں کسی عظیم شخصیت کی وفات یا کسی دردناک سانحے کا ذکر ہو۔ جیسے واقعہ کربلا۔

مناجات دعا: ایسی نظم کو کہتے ہیں جس میں رقت انگیز لہجے میں اللہ تعالیٰ سے مدد مانگی گئی ہو جیسے اس کی ذات سامنے ہو اور شاعر انتہائی ملتجی ہو۔

مثنوی: ایک طویل نظم جس میں کوئی ایک داستان ''قصہ در قصہ'' بیان کی جاتی ہے۔ اس کے ہر شعر کا قافیہ ردیف مختلف ہوتا ہے۔

❖ دیے گئے اشعار کے سامنے، مفہوم کے مطابق حمد، نعت، ملی نغمہ، قصیدہ، منقبت، مرثیہ، دعا، مناجات لکھیں۔

نمبر شمار	اشعار	صنفِ نظم
i	دیکھی نہیں کسی نے اگر شانِ مصطفیٰ دیکھے کہ جبرائیل ہے دربانِ مصطفیٰ (مولانا ظفر علی خان)	
ii	رو کر پکارے عترتِ اطہار الوداع عباس الوداع ، علمدار الوداع (میر انیسؔ)	

iii	جب شاہِ نجف معین و ناصر ہوئے کیوں سب میں نہ ممتاز، یہ ذاکر ہوئے (مرزا دبیرؔ)	
iv	لب پہ آتی ہے دعا بن کے تمنا میری زندگی شمع کی صورت ہو خدایا میری (علامہ محمد اقبال)	
v	آؤ بدلیں پُرانا چلن دوستو ہم وطن دوستو ، ہم وطن دوستو دیس اپنا ہے یہ ، اپنی دولت ہے یہ ہم اس میں مقدس امانت ہے یہ (صوفی غلام مصطفیٰ تبسم)	
vi	بزمِ سلطانی ہوئی آراستہ کعبہ امن و اماں کا در کھلا شاہِ روشن دل ، بہادر شہ کہ ، ہے رازِ ہستی اس پہ سرتاسر کھلا (مرزا اسد اللہ غالب)	
vii	تُو وہ ہے جو ہر ایک بگڑی سنوار دے میری مراد بھی ، میرے پروردگار دے کونین میں ذلیل نہ کر سب کے رو برو ایمان و عیش و دولت و عزو وقار دے (صفی اورنگ آبادی)	

سرگرمی

ا۔ کالج میں طلبہ کے درمیان ایک مقابلے کا اہتمام کریں جس میں صرف "حمدیہ" کلام پڑھنے کی اجازت ہو۔ مقابلے میں پڑھی جانے والی تمام حمدیہ نظموں کا ایک کتابچہ تیار کریں اور اسے کالج لائبریری میں نمایاں جگہ پر رکھیں تاکہ دوسرے طلبہ مطالعہ کر کے اس سے استفادہ کر سکیں۔

ہدایات برائے اساتذہ کرام

- سبق خوانی سے قبل طلبہ کو اردو شاعری میں "حمدیہ کلام" کی روایت اور اسالیب سے آگاہ کریں۔

سید نفیس شاہ (پیدائش ۱۹۳۳ء - ۲۰۰۸ء)

نعت

۲

اس سبق کی تدریس کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

- نظم و نثر کو فہم کے ساتھ پڑھ کر مصنف/شاعر کی تکنیک، مقصد اور اسلوب پر مبنی سوالات کے جوابات دے سکیں۔
- عبارت کو درست تلفظ، لب و لہجے اور تاثر کے ساتھ پڑھ سکیں۔
- مختلف سامعین اور مقاصد کو مد نظر رکھتے ہوئے کسی بھی موضوع پر اشعار اور حوالوں کے ساتھ ۳۵۰ الفاظ پر مشتمل تقریر کر سکیں۔
- کسی بات، پیغام، کلام، نشریات، کہانی، مکالمے کو سن کر دہراتے ہوئے کمی بیشی کے ساتھ بیان کر سکیں۔
- منظوم یا منثور کسی بھی دو اصناف ادب یا اقتباسات کے درمیان موازنہ کرتے ہوئے تبصرہ کر سکیں۔ (اصناف، موضوعات، پیش کش، ادبی محاسن، مصنف کا نقطہ نظر، زبان و بیان کا انتخاب اور قارئین پر اثرات کے لحاظ سے)
- کسی ادبی، علمی یا صحافتی موضوع پر اپنے مطالعے، تجربے اور مشاہدے کی روشنی میں استدلال، درست تلفظ اور عمدہ لب و لہجے کے ساتھ زبانی (فی البدیہہ اور یاد کی ہوئی) تقریر کر سکیں۔
- ذو معانی الفاظ/جملوں/فقروں کا تحریر و تقریر میں استعمال کر سکیں۔

پڑھیں

اے رسولِ امیں صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم خاتم المرسلیں صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم، تجھ سا کوئی نہیں، تجھ سا کوئی نہیں
ہے عقیدہ یہ اپنا با صدق و یقیں ، تجھ سا کوئی نہیں ، تجھ سا کوئی نہیں

دستِ قدرت نے ایسا بنایا تجھے، جملہ اوصاف سے خود سجایا تجھے
اے ازل کے حسیں، اے ابد کے حسیں، تجھ سا کوئی نہیں ، تجھ سا کوئی نہیں

بزمِ کونین پہلے سجائی گئی ، پھر تیری ذات منظر پہ لائی گئی
سیدالاولیں ، سیدالآخریں ، تجھ سا کوئی نہیں ، تجھ سا کوئی نہیں

تیرا سکہ رواں کل جہاں میں ہوا ، اس زمیں میں ہوا آسماں میں ہوا
کیا عرب کیا عجم ، سب ہیں زیرِ نگیں ، تجھ سا کوئی نہیں ، تجھ سا کوئی نہیں

تیرے انداز میں وسعتیں فرش کی ، تیری پرواز میں رفعتیں عرش کی
تیرے انفاس میں خلد کی یاسمیں ، تجھ سا کوئی نہیں ، تجھ سا کوئی نہیں

سدرۃ المنتہیٰ رہ گذر میں تری ، قاب قوسین گردِ سفر میں تری
تو ہے حق کے قریں ، حق ہے تیرے قریں، تجھ سا کوئی نہیں ، تجھ سا کوئی نہیں

کوئی بتلائے کیسے سراپا لکھوں ، کوئی ہے ! وہ کہ میں جس کو تجھ سا کہوں
توبہ توبہ ! نہیں کوئی تجھ سا نہیں ، تجھ سا کوئی نہیں ، تجھ سا کوئی نہیں
(برگ گل)

سید نفیس شاہ (۱۹۳۳ء۔ ۲۰۰۸ء)

سید نفیس شاہ ۱۱ مارچ ۱۹۳۳ء کو سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ آپ کا اصل نام انور حسین تھا۔ آپ ایک قادر الکلام شاعر تھے۔ "برگ گل" سمیت آپ کی کئی کتابیں اور فن پارے شائع ہو چکے ہیں۔ آپ کے والد کا نام مفتی محمد حسن تھا۔ آپ کے والد گرامی ایک بہت بڑے خطاط تھے جن کے کتابت شدہ قرآن پاک آج بھی دنیائے خطاطی کے لئے رہنما کی حیثیت رکھتے ہیں۔ آپ کو خطاطی کا فن وراثت میں ملا تھا۔ آپ خطاطی کی دنیا میں "نفیس رقم" کے نام سے مشہور ہوئے۔ آپ نے خطِ نسخ، خطِ نستعلیق، خطِ دیوانی، خطِ ثلث، خطِ رقع، خطِ کوفی اور خطِ اجازہ میں فن پارے تخلیق کئے۔ آپ کو حکومتِ پاکستان کی طرف سے ستارۂ امتیاز سے نوازا گیا۔

سید نفیس شاہ نے مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری کے دست مبارک پر بیعت فرمائی اور فیوض و برکات کو آگے منتقل کرنے کا سلسلہ بھی عمر بھر جاری رکھا۔ چنانچہ اس وقت پاکستان کے طول و عرض میں آپ کے مریدین کی ایک بڑی تعداد موجود ہے۔ سید نفیس شاہ نے "کلام اقبال" پر نستعلیق جلی میں انتہائی خوبصورت انداز میں خطاطی کے فن پارے تخلیق کیے جو کہ ایوان اقبال لاہور میں آویزاں ہیں۔

سید نفیس شاہ نے "عالمی رابطۂ ادب اسلامی" کے زیر اہتمام لاہور میں منعقد ہونے والے "انٹرنیشنل علامہ اقبال کانفرنس" کے شرکا کے لیے انتہائی خوبصورت انداز میں کلام اقبال پر اپنی خطاطی کے دو سو نسخے تیار کروا کے رکھے تھے لیکن آہ! زندگی نے وفا نہ کی اور پانچ فروری ۲۰۰۸ء کو اس دنیا فانی سے کوچ کر گئے۔

مشق

۱۔ درج ذیل الفاظ میں سے درست جواب کا انتخاب کریں۔

الف۔ نعت کے پہلے شعر میں کون سی صنعت استعمال ہوئی ہے؟

الف: تضاد ب: تکرار ج: تضمین د: مراعاۃ النظیر

ب۔ "بزمِ کونین" کون سا مرکب ہے؟

الف: توصیفی ب: عطفی ج: عددی د: اضافی

ج۔ "اے ازل کے حسیں، اے ابد کے حسیں" میں کس صنعت کی مثال ہے؟

الف: تضاد ب: تکرار ج: تضمین د: تلمیح

د۔ "سکہ رواں ہونا" اہلِ زبان کے حوالے سے کیا ہے؟

الف: روزمرہ ب: محاورہ ج: کہاوت د: ضرب المثل

ہ۔ "توبہ توبہ! نہیں کوئی تجھ سا نہیں، تجھ سا کوئی نہیں، تجھ سا کوئی نہیں" اس مصرعے میں کون سے رموزِ اوقاف استعمال ہوئے ہیں؟

الف: وقفہ اور سوالیہ ب: سکتہ اور ندائیہ ج: وقفہ اور ندایہ د: ندایہ اور سوالیہ

۲۔ درج ذیل سوالات کے مختصر جواب تحریر کریں۔

ا۔ آپ ﷺ کو خاتم المرسلین ﷺ کیوں کہا جاتا ہے؟

ب۔ نعت میں آپ ﷺ کے لیے کون کون سے القابِ مبارکہ استعمال کیے گئے؟

ج۔ "تیرے انداز میں وسعتیں فرش کی، تیری پرواز میں رفعتیں عرش کی" اس مصرعے کی وضاحت کریں۔

د۔ نعت میں موجود ہم قافیہ الفاظ کی نشاندہی کریں۔

ہ۔ آپ ﷺ کی مدحت شاعر کی دسترس میں کیوں نہیں ہے؟

۳۔ مشہور شاعر اور نعت خواں مظفر وارثی کی آواز میں کوئی سے نعت سنیے اور اور اس کے محاسن کی نشاندہی کیجیے۔

۴۔ درج ذیل نعتیہ اشعار درست تلفظ، لب و لہجے اور تاثر کے ساتھ پڑھیں اور اسے اپنی ذاتی زندگی سے ہم آہنگ کریں۔ باقی طلبہ اس کلام کو سُن کر ان کے معانی دہراتے ہوئے کمی بیشی کے ساتھ بات کو آگے بڑھائیں۔

مجھ کو فقط عزیز ہے الفت رسول ﷺ کی
زادِ رہ نجات ہے چاہت رسول ﷺ کی
دنیا و دین در سے محمد ﷺ کے پاؤ گے
دنیا و دین عین ہے سنت رسول ﷺ
وردِ درودِ پاک سے برکت کے در کُھلے
شاہیں کو راس آئی ہے مدحت رسول ﷺ

۵۔ ذومعانی الفاظ

ایسے الفاظ جن کے دو مختلف معنی ہوں، ذو معنی الفاظ کہلاتے ہیں۔ یہ الفاظ ایک معنی میں مذکر اور دوسرے میں مؤنث ہو سکتے ہیں۔ ذیل میں ذو معنی الفاظ دیے گئے ہیں۔ آپ انھیں یاد کریں اور اپنے جملوں میں استعمال کریں۔

ذو معنی لفظ	ایک معنی	دوسرا معنی
چاہ	کنواں	محبت
مہر	سورج	محبت
بوستان	باغ	کتاب کا نام

لب	ہونٹ	مونچھ
کف	جھاگ	ہتھیلی

❖ درج ذیل جملوں میں ذو معنی الفاظ کے گرد دائرہ لگائیں۔

الف۔ حامد کے ابو کوئلے کی کان میں کام کرتے ہیں۔

ب۔ ہمیں ہمہ وقت اپنے ایمان کی فکر رہنی چاہیے۔

ج۔ تمام مہاجرین ملک شام کی طرف ہجرت کر گئے۔

د۔ میں نے کبھی مغرب کی نماز قضا نہیں کی۔

ہ۔ انھوں نے میری عرض توجہ سے سُنی۔

و۔ ہم تہہ دل سے اپنی ہار تسلیم کرتے ہیں۔

سرگرمی

اپنے سکول میں ایک تقریری مقابلہ منعقد کرائیں اور اس میں مختلف سامعین اور مقاصد کو مد نظر رکھتے ہوئے "بین المذاہب ہم آہنگی" کے موضوع پر اشعار اور حوالوں کے ساتھ ۳۵۰ الفاظ پر مشتمل تقریر کریں۔

ہدایات برائے اساتذہ کرام

- طلبہ میں شعوری جذبہ پیدا کریں کہ وہ نعتیہ شاعری کے اسلوب، تکنیک اور مقصد کو سمجھتے ہوئے اسے اپنی ذاتی زندگی سے ہم آہنگ کر سکیں۔

احمد ندیم قاسمی (۱۹۱۶ء-۲۰۰۶ء)

۳

ملی نغمہ

اس سبق کی تدریس کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

- منثور اور منظوم کلام کے متعلق اشارات اور اہم نکات سُن کر ان کے فہم کو تجزیہ کر سکیں اور اپنے علم کی روشنی میں رائے دے سکیں۔
- اپنی گفتگو کسی بھی حساس جذبے اور تاثر کے حوالے سے شدت اور لہجے کے زیر و بم کا لحاظ رکھ کر ڈرامائی کیفیات ادا کر سکیں۔
- مختلف منظوم اور منثور اصنافِ ادب پڑھ کر مصنفین کے طرزِ تحریر پر تبصرہ کر سکیں۔
- نظم / غزل کے اشعار کے حوالوں (شاعری کے پس منظر، اندازِ بیاں، شعری محاسن کے استعمال کی وضاحت) کے ساتھ تشریح کر سکیں۔
- کسی بھی نظم یا نثر کو پڑھ کر اس کے اہم نکات کا خلاصہ لکھ سکیں۔
- کسی بھی نظم یا نثر کو پڑھ کر مصنف / شاعر اور قاری کے نقطۂ نظر کو سامنے رکھتے ہوئے مرکزی خیال تحریر کر سکیں۔
- پڑھے گئے متن کے کسی حصے کو دُہراتے ہوئے حوالوں اور دلائل کے ساتھ اظہارِ رائے کرتے ہوئے متعلقہ حصے پر جزئیات کے ساتھ تبصرہ پیش کر سکیں۔

خدا کرے کہ مری ارضِ پاک پر اُترے
وہ فصلِ گل جسے اندیشۂ زوال نہ ہو

یہاں جو پھول کِھلے وہ کِھلا رہے برسوں
یہاں خزاں کو گزرنے کی بھی مجال نہ ہو

یہاں جو سبزہ اُگے وہ ہمیشہ سبز رہے
اور ایسا سبز کہ جس کی کوئی مثال نہ ہو

گھنی گھٹائیں یہاں ایسی بارشیں برسائیں
کہ پتھروں سے بھی روئیدگی محال نہ ہو

خدا کرے کہ وقار اِس کا غیر فانی ہو
اور اس کے حسن کو تشویشِ ماہ و سال نہ ہو

ہر ایک فرد ہو تہذیب و فن کا اوجِ کمال
کوئی ملول نہ ہو کوئی خستہ حال نہ ہو

خدا کرے کہ مری ارضِ پاک پر اترے
وہ فصلِ گُل جسے اندیشۂ زوال نہ ہو

(ندیم کی نظمیں)

احمد ندیم قاسمی (۱۹۱۶ء۔۲۰۰۶ء)

احمد ندیم قاسمی ضلع سرگودھا کی تحصیل خوشاب کے ایک گاؤں انگہ میں پیدا ہوئے۔ اصل نام احمد شاہ تھا مگر شہرت قلمی نام احمد ندیم قاسمی سے ہوئی۔ ابتدائی تعلیم قصبہ انگہ میں والد پیر غلام نبی کی سرپرستی میں ہوئی۔ لاہور جا کر پنجاب یونیورسٹی میں داخلہ لیا اور بی اے کرنے کے بعد عملی زندگی کا آغاز محکمہ انہار/آب کاری میں سب انسپکٹر کے طور پر کیا۔

احمد شاہ میں ایک ہمہ گیر شخصیت کا احمد ندیم قاسمی تھا جو بیک وقت صحافی، نقاد، بلند پایہ شاعر اور بے مثال افسانہ نگار تھا۔ احمد شاہ کے چچا بہادر حیدر شاہ شاعرِ مشرق علامہ محمد اقبال کے ہم سبق تھے۔ انھوں نے احمد شاہ کو احمد ندیم قاسمی بننے میں مدد اور راہ نمائی فراہم کی۔ علامہ اقبال کی محبت بالواسطہ احمد شاہ تک پہنچی اور شعر کہنے شروع کر دیے۔ احمد ندیم قاسمی کی جوانی کے زمانے میں ترقی پسند تحریک زوروں پر تھی جس پر منشی پریم چند جیسے صفِ اول کے افسانہ نگار کی چھاپ تھی۔ یہ بھی اس تحریک کا حصہ بنے جس کا اثر ان کے افسانوں اور نظموں / غزلوں میں بھی ہوتا ہے۔ بطور صحافی انھوں نے پھول، تعلیم نسواں، نقوش، سحر، فنون اور روزنامہ امروز میں خدمات انجام دیں اور اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوایا۔ حرف و حکایت کے نام سے اُن کے فکاہیہ کالم ایک عرصے تک اخبارات میں دھوم مچاتے رہے۔

احمد ندیم قاسمی کا پہلا افسانہ "بد نصیب بت تراش" ہے جو سادہ اور رواں زبان میں لکھا گیا اور پسند کیا گیا۔ ان کے افسانوں کا موضوع دیہی زندگی اور اس میں بسنے والے غریب کسانوں اور پیشہ وروں کی زندگی ہے اس لیے ان کو بہت زیادہ پذیرائی ملی۔ محروم محنت کشوں کی زندگی کے مختلف گوشوں کو ندیم نے فنکارانہ مہارت سے اپنے افسانوں اور شاعری میں سمویا۔ تاہم ان کے افسانے مایوسی نہیں پھیلاتے بلکہ آگے بڑھنے کی اُمید دلاتے ہیں۔ قاسمی صاحب کی کتابوں میں جلال و جمال، شعلہ گل، کشت وفا، دشت وفا، دوام، محیط، لوحِ خاک، ارض و سما (شاعری) افسانے (چالیس افسانوں کا مجموعہ) حکومت پاکستان نے ۱۹۶۸ء میں پرائیڈ آف پرفارمینس اور ۱۹۸۰ء میں ستارۂ امتیاز کے اعزازات سے نوازا۔

مشق

ا۔ توجہ سے پڑھ کر مناسب ترین جواب پر صحیح کا نشان لگائیے۔

الف۔ منثور ادبی پارے کی ایک مثال ہے:

الف۔ قصیدہ ب۔ داستان ج۔ مرثیہ د۔ گیت

ب۔ کسی ادبی تحریر کے حسن و قبح اور پیش کردہ تصورات پر رائے دینا ادبی اصطلاح میں کہلاتا ہے۔

الف۔ مرثیے میں ب۔ رباعی میں ج۔ گیت میں د۔ غزل میں

ج۔ اندیشۂ زوال قواعد کی رُو سے ہے:

الف۔ محاورہ ب۔ ترکیب ج۔ مرکب د۔ تشبیہ

د۔ کسی شخصیت کی چیدہ چیدہ خصوصیات کو ادبی رنگ میں تحریر کرنا کیا کہلاتا ہے؟

الف۔ واقعہ نگاری ب۔ مرقع نگاری ج۔ منظر نگاری د۔ خصوصیات نگاری

ہ۔ احمد ندیم قاسمی مرحوم نے نظم و نثر میں اپنا لوہا منوایا، اس لحاظ سے اُن کی شخصیت تھی:

الف۔ ہمہ گیر ب۔ جامع ج۔ متنوع د۔ مکمل

۲۔ احمد ندیم قاسمی نے درج ذیل اشعار میں اپنے وطن اور ملک سے محبت کو بیان کیا ہے۔ کہ اے خدا ہمارا ملک ہمیشہ قائم دائم رہے اور پھولوں کی طرح مہکتا رہے، دشمن اس کی طرف میلی آنکھ سے دیکھنے کی جرات نہ کرے۔ ترقی، خوش حالی کا دور دورہ ہو اور دنیا میں ہمارا ملک نام وری کی بلندیوں کو چھوئے۔

خدا کرے کہ مری ارضِ پاک پر اُترے
وہ فصلِ گل جسے اندیشۂ زوال نہ ہو

یہاں جو پھول کھلے وہ کِھلا رہے برسوں
یہاں خزاں کو گزرنے کی بھی مجال نہ ہو

یہاں جو سبزہ اُگے وہ ہمیشہ سبز رہے
وہ ایسا سبز کہ جس کی کوئی مثال نہ ہو

ان اشارات اور اہم نکات کو ایک طالب علم درست تلفظ کے ساتھ بلند آواز کے ساتھ پڑھیں جب کہ باقی طلبہ ان کے فہم کا تجزیہ کرتے ہوئے اپنے علم کی روشنی میں اپنی رائے کا اظہار کریں۔

۳۔ ”مسئلہ کشمیر“ کے موضوع پر جماعت میں ایک مباحثے کا اہتمام کریں جس میں تمام طلبہ باری باری اپنی گفتگو، احساس، جذبے اور تاثر کے حوالے سے شدت اور لہجے کے زیر و بم کا لحاظ رکھ کر ڈرامائی کیفیات ادا کرنے کی مشق کریں۔

۴۔ اس ملی نغمے کو پڑھ کر احمد ندیم قاسمی کے جذبۂ حب الوطنی کے حوالے سے متعلق شاعری پڑھیں اور اُن کے طرزِ تحریر پر تبصرہ کریں۔

۵۔ نظم کو پڑھ کر قاری کے نکتہ نظر کو سامنے رکھتے ہوئے اس کا مرکزی خیال تحریر کریں۔

۶۔ نظم کو پڑھ کر اس کے اہم نکات کا خلاصہ لکھیں۔

۷۔ درج ذیل نظم پارے کی اشعار کے حوالوں کے ساتھ تشریح کریں۔

خدا کرے کہ وقار اِس کا غیر فانی ہو
اور اس کے حسن کو تشویشِ ماہ و سال نہ ہو

ہر ایک فرد ہو تہذیب و فن کا اوجِ کمال
کوئی ملول نہ ہو کوئی خستہ حال نہ ہو

خدا کرے کہ مری ارض پاک پر اترے
وہ فصلِ گل جسے اندیشہ زوال نہ ہو

سرگرمی

۱۔ اس نظم کو پڑھ کر متن کے آخری تین اشعار کو دہراتے ہوئے تمام طلبہ باری باری حوالوں اور دلائل کے ساتھ اظہارِ رائے کریں اور متعلقہ اشعار پر جزئیات کے ساتھ تبصرہ کریں۔ کسی وقت یا مشکل کے پیش نظر اپنے استاد محترم سے رہ نمائی حاصل کریں۔

ہدایات برائے اساتذہ کرام

- نظم کو درست تلفظ اور لہجے سے پڑھنے کی مشق کرائیں۔
- خاص مرکبات / تراکیبات اور الفاظ کا مفہوم بتا کر طلبہ سے خود تشریف کرنے کو کہیں۔ آپ ان کی رہ نمائیں کریں۔
- ادبی اصناف کا تعارف کرائیں اور طلبہ سے کہیں کہ لائبریری میں جا کر ان کی مثالیں تلاش کریں۔
- کسی ادب پارے کی اس کے تاریخی، ثقافتی، معاشرتی / سماجی اور معاشی پس منظر کے حوالے سے وضاحت کریں اور طلبہ کی توجہ اس بات پر مبذول کرائیں کہ ادب معاشرے کا عکس ہوتا ہے۔

علامہ اقبال (۱۸۷۷ء-۱۹۳۸ء)

۴ اے وادیِ لولاب

اس غزل کی تدریس کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

- نظم/غزل کے عناصر (مصرع، شعر، قافیہ، ردیف، مطلع، مقطع، مطلع ثانی) کی شناخت کر سکیں۔
- نظم/غزل کے اشعار کے حوالوں (شاعری کے پس منظر، انداز بیان، شعری محاسن کے استعمال کی وضاحت) کے ساتھ تشریح کر سکیں۔
- مختلف عبارتیں (نظمیہ اشعار) پڑھ کر ان میں درج معلومات اور تصورات کا پیش کش کے لحاظ سے تجزیہ کر سکیں۔
- مختلف تحاریر پڑھ کر ان میں سے عالمی مسائل کی نشان دہی کرتے ہوئے ان کے حل کے لیے تجاویز پیش کر سکیں۔
- مفہوم برقرار رکھتے ہوئے متن میں متبادلات سے واقف ہوتے ہوئے استعمال کر سکیں۔
- ہدایات و اشارات کے مطابق کسی نادیدہ اقتباس (منظوم و منثور) کی تفہیم/تنقید و تجزیہ/تبصرہ کر سکیں۔

پڑھیں

پانی ترے چشموں کا تڑپتا ہوا سیماب
مرغانِ سحر تیری فضاؤں میں ہیں بیتاب
اے وادیِ لولاب

گر صاحبِ ہنگامہ نہ ہو منبر و محراب
دیں بندۂ مومن کے لیے موت ہے یا خواب
اے وادیِ لولاب

ہیں ساز پہ موقوف نوا ہائے جگر سوز
ڈھیلے ہوں اگر تار تو بے کار ہے مضراب
اے وادیِ لولاب

مُلا کی نظر نورِ فراست سے ہے خالی
بے سوز ہے میخانۂ صوفی کی مئے ناب
اے وادیِ لولاب

بیدار ہو دل جس کی فغانِ سحری سے
اس قوم میں مدت سے وہ درویش ہے نایاب
اے وادیِ لولاب

(ارمغانِ حجاز)

علامہ اقبال (۱۸۷۷ء۔۱۹۳۸ء)

محمد اقبال نام اور تخلص اقبال تھا۔ سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام نور محمد اور والدہ کا نام امام بی بی تھا۔ ابتدائی تعلیم سیالکوٹ میں حاصل کی۔ میٹرک کا امتحان امتیازی حیثیت سے پاس کرنے کے بعد مرے کالج سیالکوٹ میں داخل ہوئے جہاں خوش قسمتی سے انھیں مولوی سید میر حسن ایسے شفیق استاد مل گئے، جن سے انھوں نے بہت فیض حاصل کیا۔ گورنمنٹ کالج لاہور سے اقبال نے فلسفے کے مضمون میں ایم۔اے کیا۔ یہاں انھیں پروفیسر ٹامس آرنلڈ جیسے استاد اور رہنما کی صحبت سے فیض یاب ہونے کا بھرپور موقع میسر آیا۔ گورنمنٹ کالج لاہور میں کچھ عرصہ انھوں نے بطور استاد فرائض انجام دیے مگر علم کی لگن انھیں یورپ لے گئی۔ قیامِ یورپ کے دوران انھوں نے کیمبرج یونیورسٹی سے بارایٹ لا کی ڈگری حاصل کی۔ علاوہ ازیں میونخ یونیورسٹی، جرمنی سے پی ایچ۔ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ ۱۹۰۸ء میں وہ وطن واپس آ گئے اور اپنی شاعری کے ذریعے ملک و قوم کی اصلاح اور بیداری میں مصروف ہو گئے۔

علامہ اقبال نے اُردو اور فارسی میں پُر اثر اور ولولہ انگیز شاعری کی۔ انھوں نے اپنی شاعری کے ذریعے ملتِ اسلامیہ کے تنِ مردہ میں زندگی کی لہر دوڑا دی اور اپنے اثر انگیز کلام سے عالمِ اسلام کو گراں خوابی سے بیدار کیا۔

اقبال کی اردو شاعری کی کتابوں میں بانگِ درا، بالِ جبریل اور ضربِ کلیم شامل ہیں۔ ارمغانِ حجاز میں بھی کچھ نظمیں اُردو میں ہیں جب کہ اس کا بیشتر حصہ فارسی میں ہے۔ یہ سب مجموعے کلیاتِ اقبال کے نام سے شائع ہو چکے ہیں۔

مشق

۱۔ شاعر کی تکنیک اور اسلوب پر مبنی درج ذیل سوالات کے جواب دیں۔

الف۔ اقبال نے اپنی شاعری سے برصغیر کے مسلمانوں کو کیا پیغام دیا؟
ب۔ ''اے وادیِ لولاب'' کی روشنی میں آزاد نظم اور پابند نظم میں فرق واضح کریں۔
ج۔ علامہ اقبال کو صاحبانِ منبر و محراب سے کیا شکایت ہے؟
د۔ نوا ہائے جگر سوز کا انحصار کس بات پر ہے؟
ہ۔ علامہ اقبال کو مُلا اور صوفی سے کیا شکایت ہے؟

۲۔ علامہ اقبال نے درج ذیل اشعار میں اپنے بیٹے جاوید اقبال کو نصیحت کی ہے کہ دنیا میں اگر نام اور مقام بنانا چاہتے ہو تو خودی اور خودداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے شب و روز خود تخلیق کرنے ہوں گے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان کو اپنی ہمت کے بل بوتے پر ہی مقام بنانا پڑتا ہے۔ مغربی تہذیب کی چکاچوند ہماری آنکھوں کو خیرہ تو کر سکتی ہے لیکن ہمارے دلوں کو گرما نہیں سکتی۔ اس لیے اپنی مشرقی تہذیب و تمدن اور رسم و رواج پر فخر کرنا ہی ہمارے لیے اعزاز کی بات ہے۔

ان ہدایات اور اشارات کے مطابق درج ذیل نظم پارے کی تفہیم / تنقید و تجزیہ / تبصرہ کرنے کی مشق کریں۔

دیارِ عشق میں اپنا مقام پیدا کر
نیا زمانہ نئے صبح و شام پیدا کر

خدا اگر دلِ فطرت شناس دے تجھ کو
سکوتِ لالہ و گُل سے کلام پیدا کر

اُٹھا نہ شیشہ گرانِ فرنگ کے احساں
سفالِ ہند سے مینا و جام پیدا کر

میں شاخِ تاک ہوں میری غزل ہے میرا ثمر
مرے ثمر سے مے لالہ فام پیدا کر

مرا طریق امیری نہیں فقیری ہے
خودی نہ بیچ غریبی میں نام پیدا کر

۳۔ درج ذیل نظم پارے کی اشعار کے حوالوں کے ساتھ تشریح کریں۔

گر صاحبِ ہنگامہ نہ ہو منبر و محراب
دیں بندۂ مومن کے لیے موت ہے یا خواب

اے وادی لولاب

ہیں ساز پہ موقوف نوا ہائے جگر سوز
ڈھیلے ہوں اگر تار تو بے کار ہے مضراب
اے وادیِ لولاب

۴۔ بیسویں صدی کا آنا ساری دنیا میں بالعموم اور ہندوستان میں تحریکِ آزادی زوروں پر تھا۔ شاعر، ادیب، مفکر اور دانش ور اپنے اپنے انداز میں طلبہ کی تعلیم و تربیت ملک و قوم کے حوالے سے جوش و خروش کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ علامہ اقبال کا شعری مجموعہ ''بانگ دار'' پڑھیں اور نظم ''شکوہ اور جواب شکوہ'' میں درج معلومات اور تصورات کا پیش کش کے لحاظ سے تجزیہ کریں۔

۵۔ علامہ اقبال نے اپنی شاعری میں عالمِ انسانی کو درپیش عالمی مسائل کی جابجا نشان دہی کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے تیئں ان کے حل کی تجاویز بھی پیش کیں۔ آپ نے نظم ''اے وادیِ لولاب'' پڑھی۔ اس میں موجود مسلمانوں کو درپیش عالمی مسائل کی نشان دہی کریں اور ان کے حل کے لیے تجاویز بھی پیش کریں۔

۶۔ مفہوم برقرار رکھتے ہوئے درج ذیل نظمیہ متن میں متبادلات سے واقف ہوتے ہوئے انھیں اپنی تحریر و تقریر میں استعمال کریں۔

بیدار ہو دل جس کی فغانِ سحری سے
اس قوم میں مدت سے وہ درویش ہے نایاب
اے وادیِ لولاب

سرگرمی

۱۔ ''یومِ اقبال'' کے موقع پر نظم ''اے وادیِ لولاب'' کو ٹیبلو کی صورت میں تقریب میں پیش کریں۔

ہدایات برائے اساتذہ کرام

- علامہ اقبال کی شاعری کے اہم موضوعات کے حوالے سے طلبہ کو آگاہی دیں۔

۵

سید محمد جعفری (۱۹۰۵ء-۱۹۷۶ء)

کھڑا ڈنر

اس نظم کی تدریس کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

- مختلف سمعی ذریعے سے کہانی، نظم، واقعہ، تقریر، اعلان، خطبہ، گفتگو، خبر، ڈرامہ، ہدایت اور لیکچر سن کر احساس جذبے اور تاثر کے حوالے سے زبان کے حسن و قبح کی نشان دہی کر سکیں۔
- مختلف عبارات کی غرض و غایت اور ساخت کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے ان کا مناسب اور محتاط موازنہ اور تبصرہ (استحسان و تنقید) کر سکیں۔
- مختلف مصنفین شعرا کے ادب پارے پڑھ کر اس زمانے کی تاریخ سے واقف ہوتے ہوئے عصری تناظر میں اس کا تجزیہ اور تبصرہ کر سکیں۔
- مختلف ثقافتوں اور زبان کے اختلاط پر مبنی متن کو پڑھ سکیں اور زبان و لہجے کے فرق کو سمجھ کر اس کے استعمال کی اہمیت سے آگاہ ہو سکیں۔
- متن پڑھ کر خیالات، آرا اور رویوں کا آپس میں تعلق سمجھتے ہوئے اس پر تبصرہ و تجزیہ کر سکیں۔
- نظم بہ لحاظ ہیئت (غزل، مخمس، مسدس) میں امتیاز کر سکیں۔

پڑھیں

کھڑا ڈنر ہے غریب الدیار کھاتے ہیں　　　بنے ہوئے شترِ بے مہار کھاتے ہیں
اور اپنی میز پہ ہو کر سوار کھاتے ہیں　　　کچھ ایسی شان سے جیسے اُدھار کھاتے ہیں
شکمِ غریب کی یوں فرسٹ ایڈ ہوتی ہے
ڈنر کے سائے میں فوجی پریڈ ہوتی ہے

کھڑے ہیں میز کنارے جو ایک پلیٹ لیے　　　انھی نے کوفتے اپنے لیے سمیٹ لیے
اِدھر اُدھر کے جو کھانے تھے سب سمیٹ لیے　　　کھڑا تھا پیچھے سو میں رہ گیا پلیٹ لیے
یہ میز ہو گئی خالی اب اور کیا ہوگا
پلاؤ کھائیں گے احباب فاتحہ ہوگا

تھی ایک مرغ کی ٹانگ اور رقیب لے بھاگا　　　مرا نصیب بھی جاگا پہ دیر میں جاگا
کباب اُٹھایا تو اس میں لپٹ گیا دھاگا　　　ڈنر یہ کیا کہ نہ پیچھا ہے جس کا نے آگا
یہ کیا خبر تھی میں آیا تھا جب ڈنر کھانے
حقیقتوں کو سنبھالے ہوئے ہیں افسانے

حقیقتوں کا نہ کہنا زمانہ سازی ہے — یہ شخص دیکھنے میں جو بڑا نمازی ہے
یہی اُڑائے گا مرغی جو موٹی تازی ہے — ڈنر کیا ہے یہ گھڑ دوڑ کی سی بازی ہے
لگائی بھوک میں مہمیز جس نے پار ہوا
نہیں تو میری طرح سے ڈنر میں خوار ہوا

وہ ایک میز خواتین گرد صف آرا — لبوں سے اُن کے رواں گفتگو کا فوراہ
میں ایک گوشے میں سہما کھڑا ہوں بیچارہ — کہ یہ ہٹیں تو اٹھاؤں میں نان کا پارہ
اسیر حلقۂ خوباں جو مرغ و ماہی میں
تو ہم شہید ستم ہائے کم نگاہی میں
(شوخیِ تحریر)

سیّد محمد جعفری (۱۹۰۵ء۔۱۹۷۶ء)

سیّد محمد جعفری بھرت پور میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد سیّد محمد علی جعفری تاریخ اور فلسفے کے عالم تھے۔ سیّد محمد جعفری نے ۱۹۲۲ء میں میٹرک اور ۱۹۲۸ء میں بی ایس سی کے امتحانات پاس کیے۔ وہ ایم۔ اے فارسی بھی تھے اور انھوں نے گورنمنٹ کالج لاہور سے انگریزی زبان و ادب میں بھی ایم۔ اے کیا۔ نیشنل کالج آف آرٹس سے مصوّری اور خطاطی کی باقاعدہ تعلیم بھی حاصل کی تھی۔ پہلے درس و تدریس سے وابستہ رہے۔ بعد ازآں ۱۹۵۰ء تا ۱۹۶۳ء ڈپٹی پرنسپل انفارمیشن آفیسر رہنے کے بعد ۱۹۶۴ء تا ۱۹۶۷ء کلچرل اتاشی تہران (ایران) رہے۔ طنز و مزاح کی شاعری اور پیروڈی کے حوالے سے انھیں بے مثال شہرت ملی۔ سیّد محمد جعفری طنز و مزاح کے حوالے سے معاشرتی کمزوریوں کو ہلکے پھلکے انداز میں نظم کے پیرائے میں بیان کرتے ہیں۔ وہ ایک باشعور اور ذہین فنکار کی طرح اجتماعی زندگی کی پستیوں اور سیاسی حالات پر بڑے شوخ انداز میں ہنستے ہیں۔ ان کی شاعری میں طنز گہرا نہیں ہے، شوخی اور زندہ دلی غالب ہے۔ ان کا انتقال کراچی میں ہوا۔ ان کا مجموعہ کلام شوخیِ تحریر اُن کی وفات کے بعد شائع ہوا۔ اُن کی ظرافت، شائستگی، تہذیب اور وقار سے مملو ہے۔ وہ تحریف اور تضمین کا استعمال نہایت کامیابی سے کرتے ہیں۔ اُن کے کلام کی شگفتگی بے ساختہ ہے۔

مشق

۱۔ درج ذیل کثیر الجہت سوالات کے درست جواب کی نشان دہی کیجیے۔

الف۔ سیّد محمد جعفری کا سالِ پیدائش کیا ہے؟

الف: ۱۹۰۲ء — ب۔ ۱۹۰۳ — ج: ۱۹۰۴ — د۔ ۱۹۰۵

ب۔ نظم کھڑا ڈنر ہیئت کے اعتبار سے کیا ہے؟

الف۔ مخمس، ترکیب بند — ب۔ ترجیع بند — ج۔ مسدس ترکیب بند — د۔ مسدس ترجیع بند

ج۔ نظم کھڑا ڈنر موضوع کے اعتبار سے ہے؟

الف۔ طنزیہ مزاحیہ — ب۔ سنجیدہ — ج۔ فلسفیانہ — د۔ عامیانہ

د۔ مسدس ایسی نظم کو کہتے ہیں جس کے ہر بند میں مصرعے ہوں

الف۔ چار — ب۔ پانچ — ج۔ چھے — د۔ سات

د۔ شاعر کے مطابق دیکھنے میں بڑا غازی نظر آنے والا شخص کھڑا ڈنر میں کیا اُڑائے گا؟

الف۔ تکہ بوٹی　　ب۔ موٹی تازی مرغی　　ج۔ بیف بریانی　　د۔ مٹن کڑاہی

۲۔ جماعت کے دو خوش آواز طلبہ اس نظم کی ریکارڈنگ کریں۔ اس ریکارڈ شدہ نظم کو استاد محترم/استانی صاحبہ کے موبائل فون سے پوری جماعت کو سنائی جائے۔ نظم کو سُن کر احساس، جذبے، تاثر کے حوالے سے زبان کے حُسن و قبح کی نشان دہی کریں۔

بعض اوقات شاعر اپنی شاعری میں جدت اور تاثر پیدا کرنے کے لیے دوسری زبانوں کے الفاظ کو بھی بے تکلفی سے برت جاتے ہیں جس سے اردو زبان و بیان میں خوب صورتی یا اجنبیت (حُسن و قبح) کا احساس ہونے کا اندیشہ پیدا ہو جاتا ہے۔ شاعر کی مہارت ہی اسی بات میں ہوتی ہے کہ دیگر زبانوں کے الفاظ اس چابک دستی سے استعمال کرے کہ وہ اردو روزمرہ محاورے میں رچ بس جائیں۔ جس طرح سید محمد جعفری نے اس نظم میں "غریب الدیار"، "شُترِ بے مہار، فرسٹ ایڈ، پریڈ، پلیٹ، ڈنر، اسیر حلقہ خوباں، شہید ستم ہائے کم نگاہی" کے الفاظ و تراکیب کو استعمال کیا ہے۔

۳۔ سید ضمیر جعفری نے اس نظم میں مغربی آداب معاشرت اور طرز زندگی کی اندھا دھند تقلید اور پیروی کو تنقید کا نشانہ بنایا ہے اور اس بات کی نشان دہی کی ہے کہ انسانی زندگی کے بے شمار ایسے پہلو ہوتے ہیں جن میں اپنی مقامی اور ملکی رسوم و رواج اور طرز عمل ہی ہمارے لیے سود مند ہے۔ درج ذیل نظم پارے کی غرض و غایت اور ساخت کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس کا مناسب اور محتاط موازنہ اور تبصرہ (استحسان اور تنقید) کرنے کی مشق کریں۔ موازنہ کرتے ہوئے اکبر الہ آبادی کا کلام بھی پیش نظر رکھیں کیونکہ اکبر الہ آبادی بھی مغربی تہذیب و معاشرت کی اندھا دھند تقلید اور اس کے مضر اثرات کے سب سے بڑے ناقد رہے ہیں۔

وہ ایک میز خواتین گرد صف آرا
لبوں سے اُن کے رواں گفتگو کا فوارہ
میں ایک گوشے میں سہما کھڑا ہوں بے چارہ
کہ یہ ہٹیں تو اُٹھاؤں میں نان کا پارہ
اسیرِ حلقۂ خوباں، جو مرغ و ماہی ہیں
تو ہم شہیدِ ستم ہائے کم نگاہی ہیں

۴۔ سید ضمیر جعفری نے جس زمانے میں یہ نظم تحریر کی تھی اس میں مغربی عادات و اطوار بالخصوص خورونوش کے حوالے سے آہستہ آہستہ عوام میں مقبولیت حاصل کر رہے تھے۔ پاکستانی معاشرہ بھی گلوبل ولیج کے اثرات سے متاثر ہو رہا تھا۔ لیکن آج ہم انھی کے رنگ میں رنگتے چلے جا رہے ہیں، جو ہمارے لیے ہماری قومی و ملی شناخت کے حوالے سے ایک لمحہ فکریہ ہے۔ ۱۹۵۰ء اور ۱۹۶۰ء کی دہائی میں عالمی سطح پر انسانی رویوں اور مزاج میں جو تبدیلیاں رونما ہو رہی تھیں، بالخصوص دوسری عالمی جنگ کے اثرات اور مضمرات کے حوالے سے انھوں نے ہماری تہذیب و معاشرت کو بھی اپنی لپیٹ میں لینا شروع کر دیا تھا۔ مغرب کی دیکھا دیکھی ہمارے ہاں بھی وہی طور طریقے اور آدابِ معاشرت اپنائے جانے لگے۔ شوکت تھانوی، سید محمد جعفری اور دیگر طنز و مزاح نگاروں نے اس اندھا دھند تقلید کے سیلاب کے آگے بند باندھنے کی اپنے تئیں کوشش ضرور کی۔

مثلاً: ایک قطعے میں کہتے ہیں:

کبھی تو اِن کی حسینوں سے شکل ملتی ہے
کبھی پناہ گزینوں سے شکل ملتی ہے
خدا کی شان سے ہیں، وہ مرے وطن کے جواں
کہ جن کی پردہ نشینوں سے شکل ملتی ہے

اسی طرح ''کھٹراڈنر'' میں بھی ہمارے رویوں اور اُس دور کی عکاسی کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ان نظم پاروں کو پڑھ کر نظم ''کھٹراڈنر'' کا موجودہ عصری تناظر میں تجزیہ و تبصرہ کریں۔

۵۔ استاد محترم/استانی صاحبہ نے نظم ''کھٹراڈنر'' پڑھا دی ہے۔ اب طلبہ نظم کے پڑھے گئے متن کے ہر بند کو باری باری دہراتے ہوئے حوالوں اور دلائل کے ساتھ اظہارِ رائے کریں اور متعلقہ بند پر جزئیات کے ساتھ تبصرہ کریں۔

۶۔ درج ذیل بند کو غور سے پڑھیں۔

کھٹرا ڈنر ہے غریب الدیار کھاتے ہیں
بنے ہوئے شُترِ بے مہار کھاتے ہیں
اور اپنی میز پر ہو کر سوار کھاتے ہیں
کچھ ایسی شان سے جیسے ادھار کھاتے ہیں
شکمِ غریب کی یوں فرسٹ ایڈ ہوتی ہے
ڈنر کے سائے میں فوجی پریڈ ہوتی ہے

اس بند کا مفہوم برقرار رکھتے ہوئے ''کھٹراڈنر، غریب الدیار، شُترِ بے مہار، فرسٹ ایڈ، ڈنر، پریڈ'' کے متبادلات سے واقف ہوئے انھیں اشعار میں رکھ کر استعمال کریں۔

۷۔ ''کھٹراڈنر'' میں شاعر نے جن خیالات، آرا اور رویوں پر روشنی ڈالی ہے اُن کا آپس میں تعلق سمجھتے ہوئے اپنا تبصرہ و تجزیہ کریں۔

۸۔ مخمس۔ مسدس

ایسی نظم جس کے ہر بند میں پانچ مصرعے ہوں مخمس کہلاتی ہے۔ ایسی نظم جس کے ہر بند میں چھے مصرعے مسدس کہلاتی ہے۔
اگر کسی نظم کے ہر بند میں ایک مصرع یا شعر بار بار دہرایا جائے تو اُس مصرعے یا شعر کو ٹیپ کا مصرع یا شعر کہتے ہیں۔
ایسی نظم جس میں ٹیپ کا مصرع یا شعر ہو اُسے ترجیع بند اور جس نظم میں ٹیپ کا مصرع یا شعر نہ ہو اُسے ترکیب بند شعر کہتے ہیں۔

❖ مخمس اور مسدس ہیئت پر مشتمل ایک ایک بند تحریر کریں۔

سرگرمی

نظم "کھڑاؤنز" مختلف ثقافتوں اور زبان کے اختلاط پر مبنی نظم ہے۔ اس کی زبان اور لہجہ کے فرق کو سمجھیں اور اس کے استعمال کی اہمیت سے آگاہی کے لیے طلبہ ٹولیوں کی صورتوں میں باہم گفتگو کریں۔ آخر میں ایک طالب علم اردو شاعری پر انگریزی تہذیب اور زبان کے اختلاط کے حوالے سے دیے گئے دلائل کو نوٹ کرے اور استاد محترم/استانی صاحبہ کی خدمت میں تنقید و تبصرہ کے لیے پیش کریں۔

ہدایات برائے اساتذہ کرام

طلبہ کو اکبر الہ آبادی اور سید محمد جعفری کی طنزیہ و مزاحیہ شاعری سے آگاہ کرتے ہوئے مغربی تہذیب و معاشرت کی اندھا دھند تقلید کے اپنے معاشرے پر مرتب ہونے والے اثرات کا جائزہ لیں تاکہ طلبہ ان خیالات کا ذاتی اور معاشرتی زندگی سے نہ صرف تعلق قائم کر سکیں بلکہ متن پڑھ کر شاعر کے طرزِ تحریر سے آگاہ ہو جائیں اور خیالات، آرا اور رویوں کا آپس میں تعلق سمجھتے ہوئے تبصرہ و تجزیہ کر سکیں۔

احسان دانش(۱۹۱۴ء-۱۹۸۲ء)

۶ آزادی

اس نظم کی تدریس کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

- کسی بھی نظم یا نثر کو پڑھ کر اس کے اہم نکات کا خلاصہ لکھ سکیں۔
- نظمیہ اشعار کو درست تلفظ، لب و لہجہ، اتار چڑھاؤ اور ضرورت کے مطابق تاثر کے ساتھ پڑھ سکیں۔
- کسی بھی نثر پارے / نظم میں موضوعات کی شناخت کرتے ہوئے مصنف اور قارئین کے نقطۂ نظر کے ساتھ اس کی وضاحت کے لیے اپنی رائے کا اظہار کر سکیں۔
- کسی ادبی، علمی یا صحافتی موضوع پر اپنے مطالعے، تجربے اور مشاہدے کی روشنی میں استدلال، درست تلفظ اور عمدہ لب و لہجے کے ساتھ زبانی (فی البدیہہ اور یاد کی ہوئی) تقریر کر سکیں۔
- مجازی (ادبی) اور اصطلاحی (علمی) محضر میں گفتگو کر سکیں۔

پڑھیں

عبادت ہے سراپا جذبۂ تعمیرِ آزادی
شہادت مستقل اک سُرخیٔ تحریرِ آزادی

جہاں آزاد کر سکتے نہ ہوں تقریرِ آزادی
وہ آزادی مری نظروں میں ہے تحقیرِ آزادی

مجھے ہر نامناسب، بات پر تنقید کا حق ہے
مری تقریر سے تعبیر ہے تعمیرِ آزادی

مجاہد کو وہ دریا کی حدوں میں رہ نہیں سکتے
ہماری جنگ ہو گی جنگِ عالمگیرِ آزادی

غلامی کے دھوئیں اُڑنے لگے بہروپے کانپے
فضاؤں میں جو گونجا نالۂ شب گیرِ آزادی

جو کہنا تھا اُسے سب کہہ گیا قرآں کے پردے میں
زمانہ حشر تک کرتا رہے تفسیرِ آزادی

لہو برسا، بہے آنسو، لٹے رہرو، کٹے رشتے
ابھی تک نامکمل ہے مگر تعمیرِ آزادی
تعجب ہے غلامی کے شبستانوں کی زینت ہے
کھنچی ہے جو ہمارے خون سے تصویرِ آزادی
غلام ابنِ غلام اپنی وراثت کیوں سمجھتے ہیں
ہوئی ہے جب ہمارے نام پر تعمیرِ آزادی
رہے گا دینِ فطرت پھیل کر اقصائے عالم میں
نہیں ہے یہ خطِ تقدیرِ آزادی
تڑپ کر بزم میں دانش چلے آئے ہیں پروانے
اندھیروں سے مگر پھوٹی نہیں تنویرِ آزادی

(فصلِ سلاسل)

احسان دانش (۱۹۱۴ء۔ ۱۹۸۲ء)

احسان الحق نام، دانش تخلص ہے۔ کاندھلہ میں پیدا ہوئے والد کا نام قاضی دانش علی تھا۔ غربت کے باعث پانچویں جماعت سے آگے تعلیم کا سلسلہ جاری نہ رہ سکا۔ روزگار کی تلاش میں دربدر کی خاک مزدوری کی غرض سے لاہور آئے۔ زیر تعمیر پنجاب یونیورسٹی لاہور کے لیے ایک مزدور کے طور پر بھی کام کیا۔ وہ دن کو ملازمت کرتے اور رات کو مطالعہ کرتے وہیں ادیب فاضل کے ممتحن بھی مقرر ہوئے اپنی کوششوں سے لاہور میں ایک ذاتی کتب خانہ مکتبہ دانش کے نام سے قائم کیا۔

احسان دانش پاکستان بننے سے پہلے ہی لاہور آ گئے تھے۔ یہاں محنت مزدوری کرتے تھے۔ کتابوں کی ایک دکان سے روزگار کا آغاز کیا۔ شعر و شاعری سے دلچسپی بچپن ہی سے تھی جس نے علم کی لگن کو ہمیشہ تازہ رکھا اور ذاتی مطالعے کے باعث انھوں نے مختلف علوم پر قابلِ رشک دسترس حاصل کی۔ انھوں نے اپنی شاعری کے ذریعے جا بجا عزم، عمل، اخلاق، اصلاحِ انسانیت، تعمیر اتحاد اور جدوجہد کا سبق دیا۔ ان کے اہم موضوعات ظلم و افلاس کے خلاف جہاد اور مزدور طبقے کی حالتِ زار کا بیان ہے یہی وجہ ہے کہ انھیں شاعرِ مزدور کے نام سے جانا جاتا ہے۔ انھوں نے مزدوروں اور کسانوں کی حالتِ زار کی نہایت عمدہ عکاسی کی ہے۔ اس کے علاوہ ان کی شاعری میں دینی حمیت، حب الوطنی اور مشرقی روایات کا عکس پایا جاتا ہے۔

احسان دانش قادر الکلام شاعر تھے۔ انھوں نے غزل اور نظم دونوں میں اپنی ندرتِ فکر اور قدرتِ بیان سے اونچا مقام حاصل کیا۔ زبان و بیان کے تخلیقی استعمال کے ساتھ ساتھ وہ جدتِ فکر کے نمائندہ بھی تھے۔ وہ فطرت اور انسان کے مابین تعلق کو موضوع بناتے تھے اور حیات و کائنات کے بارے میں فکر انگیز نتائج اخذ کرتے تھے۔

تصانیف: "دردِ زندگی"، "نفیرِ فطرت"، "چراغاں"، "آتشِ خاموش" اور "شیرازہ" ان کے اہم شعری مجموعے ہیں۔ یہ کلیاتِ احسان دانش میں شامل ہیں۔ "جہانِ دانش" اور "جہانِ دگر" ان کی خود نوشت سوانح عمریاں ہیں۔ مترادفات اور صرف و نحو اہم لغات ہیں ان کی ادبی خدمات کے اعتراف میں حکومت نے انھیں ستارۂ امتیاز ایوارڈ سے نوازا۔

مشق

ا۔ نظم کے اہم نکات کا خلاصہ لکھیں۔

۲۔ اقبال کی نظم درست تلفظ، لب و لہجے، اتار چڑھاؤ اور ضرورت کے مطابق تاثر کے ساتھ پڑھیں۔

چین و عرب ہمارا ہندوستاں ہمارا
مسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا
توحید کی امانت سینوں میں ہے ہمارے
آساں نہیں مٹانا نام و نشاں ہمارا
دنیا کے بت کدوں میں پہلا وہ گھر خدا کا
ہم اس کے پاسباں ہیں وہ پاسباں ہمارا
تیغوں کے سائے میں ہم پل کر جواں ہوئے ہیں
خنجر ہلال کا ہے قومی نشاں ہمارا
مغرب کی وادیوں میں گونجی اذاں ہماری
تھمتا نہ تھا کسی سے سیلِ رواں ہمارا
باطل سے دبنے والے اے آسماں نہیں ہم
سو بار کر چکا ہے تو امتحاں ہمارا
اے گلستانِ اندلس! وہ دن ہے یاد تجھ کو
تھا تیری ڈالیوں پہ جب آشیاں ہمارا
اے موجِ دجلہ! تو بھی پہچانتی ہے ہم کو
اب تک ہے تیرا دریا افسانہ خواں ہمارا
اے ارضِ پاک! تیری حرمت پہ کٹ مریں ہم
ہے خوں تری رگوں میں اب تک رواں ہمارا
سالارِ کارواں ہے میرِ حجاز اپنا
اس نام سے ہے باقی آرامِ جاں ہمارا

اقبالؔ کا ترانہ بانگِ درا ہے گویا
ہوتا ہے جادہ پیما پھر کارواں ہمارا

۳۔ احسان دانشؔ نے اس نظم میں آزادی کے جذبے اور آزادی کے ثمرات کے حوالے سے بات کی ہے کہ برصغیر کے مسلمانوں نے انگریزوں اور ہندوؤں سے آزادی کے حصول کا نعرہ اس لیے لگایا تھا کہ انھیں ایک ایسا ملک میسر آسکے جس میں انھیں معاشی، سماجی، معاشرتی اور سیاسی حوالے سے ترقی اور نمو پذیری کے مواقع میسر آئیں گے۔ انگریزی دورِ اقتدار کی طرح آزاد ملک میں تحریر و تقریر پر کسی قسم کی کوئی قدغن نہ ہوگی۔ طلبہ اس نظم کو پڑھ کر اس میں درج مختلف موضوعات کی شناخت کریں۔ شاعر اور قارئین کے نقطہ نظر کے ساتھ اس کی وضاحت کے لیے اپنی اپنی رائے دیں۔

۴۔ مجازی اور اصطلاحی معنی

لغت میں لغوی معنی کے علاوہ کسی لفظ کے مجازی معنی بھی ملتے ہیں اور ان کو لغوی معنوں کے بعد درج کیا جاتا ہے۔ مثلاً "چال" کے مجازی معنی روش اور رویّہ کے ہیں۔

کچھ الفاظ ایسے ہوتے ہیں جن کے لغوی اور مجازی معنوں کے ساتھ ساتھ دیگر مفاہیم میں اصطلاحی معنی بھی ہوتے ہیں۔ مثلاً 'چال' کے اصطلاحی معنی دھوکا اور فریب دینے کے ہیں۔ اسی طرح اصطلاحاً شطرنج کے ایک مہرے کو ایک گھر سے دوسرے گھر میں لے جانے کو بھی چال کہتے ہیں۔

- **مجازی اور اصطلاحی معنی کو پیش نظر رکھتے ہوئے تمام طلبہ "آزادی" کے موضوع پر ایک دوسرے کے ساتھ گفتگو کریں۔**

سرگرمی

"انفارمیشن ٹیکنالوجی" کے موضوع پر اپنے کالج میں ایک سیمینار منعقد کرائیں اور اس میں خود بھی اپنے مطالعے، تجربے اور مشاہدے کی روشنی میں استدلال، درست تلفظ اور عمدہ لب و لہجے کے ساتھ زبانی (فی البدیہہ اور یاد کی ہوئی) تقریر کریں۔

ہدایات برائے اساتذہ کرام

- طلبہ کو تلقین کریں کہ روزانہ اپنی پسند کا کوئی پروگرام (خبریں، ڈرامے، فیچر وغیرہ) دیکھیں یا سنیں اور جائزہ لیں کہ ان میں کس قسم کے مسائل کو موضوع بنایا گیا ہے پھر جماعت میں آکر ساتھی طلبہ کو نظم کے اہم نکات پر اشارات دیجیے تاکہ وہ ان اشارات کی مدد سے اہم باتوں کو محدود الفاظ میں تبدیل کر سکیں۔

۷

دیکھ جس پر ہے آسرا میرا

عبدالرحمان بابا (۱۶۵۳ء۔۱۷۱۱ء)

اس نظم کی تدریس کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

- منظوم اور منثور کلام سے متعلق اشارات اور اہم نکات سن کر ان کے فہم کا تجزیہ کرتے ہوئے رائے دے سکیں۔
- جملے کی ساخت، بناوٹ اور روزمرہ محاورے کے لحاظ سے غلط فقرات / جملوں کی درستی کر سکیں۔
- پڑھے گئے متن کے کسی حصے کو دہراتے ہوئے حوالوں اور دلائل کے ساتھ اظہار رائے کرتے ہوئے متعلقہ حصے پر جزئیات کے ساتھ تبصرہ پیش کر سکیں۔
- تراجم کی صورت میں عالمی ادب سے واقفیت حاصل کرتے ہوئے مختلف ثقافتوں کا اپنی ثقافت سے موازنہ کر سکیں۔
- منتخب اقتباسات (انگریزی سے اردو) کے اصل معنی و مفہوم اور مقاصد کو برقرار رکھتے ہوئے تراجم کر سکیں۔

پڑھیں

دیکھ جس پر ہے آسرا میرا
ہے وہ مختارِ کُل خدا میرا
مدعی جتنے ہیں بزرگی کے
سب کا رہبر ہے رہنما میرا
زیرِ احسان ہے نہ حاجت مند
بے نیازی کا منتہا میرا
جس نے پیدا کیا عدم سے وجود
وہ ہے خلاق دوسرا میرا
ہے وہی صانعِ صنعت کُل
ہے وہی سامعِ صدا میرا
ساری اقلیم شش جہات کے بیچ
حکم رواں کاتب قضا میرا

اس کو پھر غیر کی نہیں حاجت

ساتھ ہے جس کے آشنا میرا

کیوں اسے دربدر تلاش کروں

دل میں رہتا ہے دل رُبا میرا

بے تغیر ہے بے تبدل ہے

اک وہی صاحبِ بقا میرا

"رحمان بابا" (منظوم ترجمہ: پروفیسر طٰہٰ خان)

عبدالرحمان بابا (۱۶۵۳ء۔۱۷۱۱ء)

پشتو زبان کے عظیم شاعر عبدالرحمان بابا پشاور کے علاقے بہادر کلے میں پیدا ہوئے اور تمام عمر اسی علاقے میں بسر کر دی۔ اپنے اندازِ بیان، موضوعات اور مضامین نے رحمان بابا کو پشتو زبان کا سب سے مقبول اور معتبر شاعر بنا دیا۔ خیبر پختونخوا میں سانس لینے والا شاید ہی کوئی ایسا ذی شعور ہو جسے رحمان بابا سے عقیدت و محبت نہ ہو کیوں کہ پختون انھیں ایک شاعر سے بڑھ کر ایک برگزیدہ ہستی، ایک صوفی منش شخصیت اور ولی اللہ مانتے ہیں۔ دیگر صوفی شعرا کی طرح رحمان بابا بھی خالق اور مخلوق کے درمیان فاصلے پاٹنے میں اپنا کردار ادا کرتے ہیں اور تصوف و عشقِ حقیقی کے مسائل، مضامین اور موضوعات کو سادہ و دل نشیں انداز میں اپنے اشعار میں ڈھالتے ہیں۔ ہر طرح کے موضوعات کے بیان میں رحمان بابا کا لہجہ، اخلاقیات، عشقِ حقیقی، تصوف اور معرفت کے مضامین ہی سے تشکیل پاتا ہے۔ رحمان بابا کا تعلق مومند قبیلے سے تھا، آپ کے والد کا نام عبدالستار تھا۔ الغرض رحمان بابا غوریا خیل مومند اور ایک صوفی شاعر تھے۔ جنھوں نے اپنی ساری زندگی عشقِ الٰہی میں گزاری۔

پروفیسر طٰہٰ خان ۱۹۳۱ء میں پیدا ہوئے۔ آپ کی ادبی پہچان کے مختلف پہلو ہیں۔ اُستاد، براڈکاسٹر، ادیب، دانش ور، شاعر، مترجم، نقاد اور محقق کی حیثیت سے خود کو منوایا۔ طنزیہ و مزاحیہ شاعری بھی پہچان اور شناخت ٹھہری۔ عظیم پشتو شاعر، عبدالرحمٰن بابا کے کلام کو "متاعِ فقیر" کے نام سے ترجمہ کیا۔ حکومتِ پاکستان نے ادبی خدمات کے صلے میں آپ کو 2007ء میں صدارتی تمغہ برائے حسن کارکردگی سے بھی نوازا۔ ۲۰۱۳ء میں پروفیسر طٰہٰ خان نے اس دنیائے فانی کو خیر باد کہا۔

(پروفیسر امجد اقبال)

استفادہ "رحمان بابا" (منظوم ترجمہ: پروفیسر طٰہٰ خان)
نیشنل بک فاؤنڈیشن اسلام آباد

مشق

۱۔ رحمان بابا نے اپنی شاعری میں پشتون ثقافت، تہذیب و معاشرت اور روایات اقدار کو بیان کیا ہے۔ اس کے علاوہ تصوف عشق حقیقی کے مسائل، مضامین ار موضوعات کو سادہ اور دل نشیں انداز میں ڈھالا ہے۔ رحمان بابا کے درج ذیل اشعار میں موجود اشارات اور اہم نکات کو ایک طالب علم بلند آواز سے دیگر طلبہ ساتھیوں کے سامنے پیش کرے جب کہ باقی طلبہ باری باری ان نکات اور اشارات کے فہم کا تجزیہ کرتے ہوئے اپنی رائے دیں۔

ساری اقلیم شش جہات کے بیچ

حکم راں کاتبِ قضا میرا

اس کو پھر غیر کی نہیں حاجت
ساتھ ہے جس کے آشنا میرا
کیوں اسے دربدر تلاش کروں
دل میں رہتا ہے دل رُبا میرا

۲۔ درج ذیل جملوں کی ساخت، بناوٹ اور روز مرہ محاورے کے لحاظ سے فقرات/جملوں کی درستی کریں۔

یہ منھ اور مونگ کی دال	پانی کا جلا چھاچھ بھی پھونکیں مار کے پیتا ہے۔
گدھے بیچ کر سونا	اونٹ کے منھ میں ناریل
لال سرخ ہونا	مریض نے دوائی کھائی
سونار کی دو لوہار کی	نیلی سیاہی سے لکھا کرو۔
یہ لڑکی تو آفت کی پرکالہ ہے	آپ کی خیریت نیک مطلوب چاہتا ہوں

۳۔ رحمان بابا کی شاعری کے پڑھے گئے متن کے درج ذیل اشعار کو دہراتے ہوئے حوالوں اور دلائل کے ساتھ اظہار رائے کریں۔ جب کہ تمام طلبہ باری باری متعلقہ حصے پر جزئیات کے ساتھ تبصرہ بھی پیش کریں۔

دیکھ جس پر ہے آسرا میرا
ہے وہ مختارِ کُل خدا میرا
مدعی جتنے ہیں بزرگی کے
سب کا رہبر ہے رہنما میرا
زیرِ احسان ہے نہ حاجت مند
بے نیازی کا منتہا میرا

۴۔ رحمان بابا نے اپنی شاعری میں پشتون روایات اور ثقافت کی ترجمانی کی ہے۔ پشتون ثقافت اور روایات شمال مغرب میں موجود ہم سایہ ممالک کی زبان وادب اور تہذیب و ثقافت سے قریب تر ہے۔ استاد محترم/استانی صاحبہ سے درخواست کر کے وسط ایشیائی ممالک میں سے کسی ملک کی لوک کہانیوں کے ترجمے کی کتاب منگوائیں اور ان لوک کہانیوں میں موجود عالمی ثقافت سے واقفیت حاصل کریں اور اس کا موازنہ پشتون تہذیب و ثقافت سے کرنے کی مشق کریں۔

۵۔ فنِ ترجمہ نگاری

فنِ ترجمہ نگاری ایک قدیم فن ہے۔ انسان نے جب سے علمی، تہذیبی، ثقافتی، تجارتی اور تاریخی لین دین شروع کیا ہوگا تو اسے ایک دوسرے کی زبانوں کے ترجمے کی ضرورت پڑی ہوگی۔ اس طرح ترجمے کا فن اتنا ہی قدیم ہے جتنا کہ انسان کی سماجی زندگی۔ ایک سماجی گروہ کا دوسرے گروہ سے سماجی رشتہ قائم ہونے پر ایک دوسرے کی بات سمجھنے کے لیے ترجمے کا سہارا لینا پڑا ہوگا۔ ہندوستان میں قدیم عہد سے مغلوں کے عہد تک، ترجمے کی روایت کے نمایاں آثار ملتے ہیں۔ اکبر نے سنسکرت سے شاعری، فلسفہ، ریاضی، الجبرا وغیرہ کی کتابوں کا فارسی میں ترجمہ کرایا۔ ہندوستان سے باہر بھی یہاں کی کتابوں کے عربی میں تراجم ہوئے۔ خلیفہ منصور عباسی کے عہد میں "سدھانت" کا عربی ترجمہ ریاضی داں ابراہیم فرازی نے کیا۔

سترھویں صدی عیسوی میں جن لوگوں نے یہاں اردو نثری اور شعری ادب کا آغاز کیا ان کی علمی زبان فارسی تھی۔ اردو ادب کے ابتدائی عہد میں بہت بڑی تعداد میں فارسی، عربی اور سنسکرت سے اردو میں ترجمے کیے گئے۔ اس کے بعد ہندوستان میں انگریزوں کی آمد ہوئی۔ انھوں نے فورٹ ولیم کالج، دہلی کالج میں بے شمار فارسی اور انگریزی کی کتابوں کا اردو ترجمہ کرایا۔ جامعہ عثمانیہ کے دارالترجمہ، سرسید سائنٹیفک سوسائٹی، انجمن پنجاب لاہور، دار المصنفین علی گڑھ نے بھی ترجمے کے سلسلے میں نمایاں خدمات سرانجام دیں۔

ترجمے کی اہمیت اس اعتبار سے بھی ہے کہ دیگر اقوام کے علوم وفنون سے واقفیت حاصل ہوتی ہے۔ ترجمہ نگاری کی مختلف اقسام ہیں:

علمی ترجمہ　　ادبی ترجمہ　　صحافتی ترجمہ

اسی طرح ترجمہ نگاری کے تین طریقے ہیں: لفظی ترجمہ　　آزاد ترجمہ　　معتدل ترجمہ

۲۔ درج ذیل منتخب اقتباسات (انگریزی سے اردو) کے اصل معانی و مفہوم اور مقاصد کو برقرار رکھتے ہوئے ترجمہ کریں۔

i. While trying to adopt to my new surroundings, I also started tenth grade. Turns out that the tiny class rooms I was used to. The teacher barely knew my name and all the other kinds thought I was the quiet foreigner with a brown complexion and was not able to speak their language properly.

ii. "Deosai National Park"- know as "land of the Giants" a backdrop of snow dusted mountains rises from the alpine plateau of Deosai National Park. Easy Spring, the lush valley is swept by wildflowers and rare butterflies, earning the name, "Summer's Palace" by local, who enjoy the wildlife after winter's thaw. This bio diversity hot spot is home to the Tibetan wolf, Himalayan ibex.

سرگرمی

انٹرنیٹ کے ذریعے رحمان بابا کے مزار کے حوالے سے معلومات اور مختلف تصاویر اکٹھی کریں اور ان پر مشتمل مختصر سا تعارفی کتابچہ تیار کریں اور لائبریری میں رکھوائیں تاکہ دوسرے طلبہ بھی اس طرح کے کاموں کی تحریک حاصل کر سکیں۔

ہدایات برائے اساتذہ کرام

طلبہ کو پشتون ثقافت روایات واقدار کے پس منظر میں، رحمان بابا کے کلام میں موجود مختلف افکار وخیالات سے آگاہ کریں تاکہ وہ کلام سے متعلق اشارات اور نکات تن کر ان کے فہم کا تجزیہ کرتے ہوئے اپنی رائے دے سکیں۔

طلبہ کے لیے شعبہ انگریزی کے اُستاد کے ایک لیکچر کا بندوست کریں جس میں وہ Jonathan Swift کے مشہور ناول Gulliver's Travels کے حوالے سے مغربی تہذیب، تاریخ اور روایات واقدار پر روشنی ڈالیں تاکہ طلبہ عالمی ادب سے واقفیت حاصل کرتے ہوئے مختلف ثقافتوں کا اپنی ثقافت سے موازنہ کر سکیں۔

حصہ غزل

میر تقی میر (۱۷۲۳ء-۱۸۱۰ء)

۱ پتا پتا بوٹا بوٹا حال ہمارا جانے ہے

اس نظم کی تدریس کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

- غزل کی شاعری میں مطلع، مطلع ثانی اور مقطع کو شناخت کر سکیں اور ان کے استعمال کی اہمیت واضح کر سکیں۔
- مفہوم برقرار رہتے ہوئے متن میں متبادلات سے واقف ہوتے ہوئے استعمال کر سکیں۔
- مجازی اور اصطلاحی معنٰی میں گفت گو کر سکیں۔
- مختلف سمعی ذرائع سے کہانی، نظم، واقعہ، تقریر، اعلان، خطبہ، گفت گو، خبر، ڈراما، ہدایت اور فیچر سن کر کلام کے اہم نکات، تراکیب جملے، مصرعے یا اشعار برمحل اور برجستہ استعمال کر سکیں۔
- مختلف سامعین اور مقاصد کو مدنظر رکھتے ہوئے کسی بھی موضوع پر اشعار اور حوالوں کے ساتھ کم از کم ۳۵۰ الفاظ پر مشتمل تقریر لکھ سکیں۔
- نظم / غزل کے اشعار کے حوالوں (شاعری کے پس منظر، انداز بیاں، شعری محاسن کے استعمال کی وضاحت) کے ساتھ تشریح کر سکیں۔

پڑھیں

پتا پتا بوٹا بوٹا حال ہمارا جانے ہے
جانے نہ جانے گل ہی نہ جانے باغ تو سارا جانے ہے

آگے اس متکبر کے ہم خدا خدا کیا کرتے ہیں
کب موجود خدا کو وہ مغرور خود آرا جانے ہے

عاشق سا تو سادہ کوئی اور نہ ہوگا دنیا میں
جی کے زیاں کو عشق میں اس نے اپنا وارا جانے ہے

چارہ گری بیماری دل کی رسم شہر حسن نہیں
ورنہ دلبر ناداں بھی اس درد کا چارہ جانے ہے

مہر و وفا و لطف و عنایت ایک سے واقف ان میں نہیں
اور تو سب کچھ طنز و کنایہ رمز و اشارہ جانے ہے

کیا کیا فتنے سر پر اس کے لاتا ہے معشوق اپنا
جس بے دل بے تاب و تواں کو عشق کا مارا جانے ہے

تشنۂ خوں ہے اپنا کتنا میر بھی ناداں تلخی کش

دم دار آب تیغ کو اس کے آب گوارا جانے ہے

(کلیاتِ میر تقی میرؔ)

میر تقی میرؔ (۱۷۲۳ء۔ ۱۸۱۰ء)

اصل نام میر محمد تقی اُردو کے عظیم شاعر تھے۔ میر ان کا تخلص تھا۔ اُردو شاعری میں میر تقی میر کا مقام بہت اونچا ہے۔ انھیں ناقدین و شعرائے متاخرین نے خدائے سخن کے خطاب سے نوازا۔ وہ اپنے زمانے کے ایک منفرد شاعر تھے۔ آپ کے متعلق اُردو کے عظیم الشان شاعر مرزا غالب نے لکھا ہے۔ میر تقی میر، آگرہ میں ۱۷۲۳ء میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد کا نام محمد علی تھا لیکن علی متقی کے نام سے مشہور تھے۔ اور درویش گوشہ نشین تھے۔ میر نے ابتدائی تعلیم والد کے دوست سید امان اللہ سے حاصل کی مگر مزید تعلیم سے پہلے جب میر ابھی نو برس کے تھے وہ چل بسے تب ان کے بعد ان کے والد نے خود تعلیم و تربیت شروع کی۔ مگر چند ماہ بعد ہی ان کا بھی انتقال ہو گیا۔ یہاں سے میر کی زندگی میں رنج والم کے طویل باب کی ابتدا ہوئی۔

ان کے سوتیلے بھائی محمد حسن نے اچھا سلوک نہ کیا۔ تلاش معاش کی فکر میں دہلی پہنچے اور ایک نواب کے ہاں ملازم ہو گئے۔ مگر جب نواب موصوف ایک جنگ میں مارے گئے تو میر آگرہ لوٹ آئے۔ لیکن گزر اوقات کی کوئی صورت نہ بن سکی۔ چنانچہ دوبارہ دہلی روانہ ہوئے اور اپنے خالو سراج الدین آرزو کے ہاں قیام پزیر ہوئے۔ سوتیلے بھائی کے اکسانے پر خان آرزو نے بھی پریشان کرنا شروع کر دیا۔ کچھ غم دوراں، کچھ غم جاناں سے جنوں کی کیفیت پیدا ہو گئی۔ میر کا زمانہ شورشوں اور فتنہ و فساد کا زمانہ تھا۔ ہر طرف تنگدستی و مشکلات برداشت کرنے کے بعد بالآخر میر گوشہ عافیت کی تلاش میں لکھنؤ روانہ ہو گئے۔ اور سفر کی صعوبتوں کے بعد لکھنؤ پہنچے۔ وہاں ان کی شاعری کی دھوم مچ گئی۔ نواب آصف الدولہ نے تین سو روپے ماہوار وظیفہ مقرر کر دیا۔ اور میر آرام سے زندگی بسر کرنے لگے۔ لیکن تند مزاجی کی وجہ سے کسی بات پر ناراض ہو کر دربار سے الگ ہو گئے۔ آخری تین سالوں میں جوان بیٹی اور بیوی کے انتقال نے صدمات میں اور اضافہ کر دیا۔ آخر اقلیم سخن کا یہ حرماں نصیب شہنشاہ 87 سال کی عمر پا کر ۱۸۱۰ء میں لکھنؤ کی آغوش میں ہمیشہ کے لیے سو گیا۔

مشق

۱۔ شاعر کی تکنیک مقصد اور اسلوب پر مبنی سوالات درج ذیل سوالات کے جوابات دیں۔

الف۔ میر تقی میر کی شاعری کے اہم موضوعات کون سے ہیں؟

ب۔ غزل کے مطلعے میں علم بیان اور علم بدیع کی کون سی اصطلاح استعمال کی گئی ہے؟ نشان دہی اور وضاحت کریں؟

ج۔ "آگے اس متکبر کے ہم خدا خدا کیا کرتے تھے" میر تقی میر نے اس مصرے میں جو لفظی خوبصورتی پیدا کی ہے۔ اس کی وضاحت کریں۔

د۔ میر تقی میر نے عاشق کو دنیا کا سادہ انسان کیوں کہا ہے؟

ہ۔ مہر و وفا و لطف و عنایت ایک سے واقف ان میں نہیں" میر تقی میر نے اس میں "ایک سے واقف نہ ہونا، کن معنوں میں استعمال کیا ہے؟

❖ لغوی،، مجازی (ادبی) اور اصطلاحی (علمی) محضر

لغت میں لغوی معانی کے علاوہ کسی لفظ کے مجازی معانی بھی ملتے ہیں۔ان کو لغوی معنوں کے بعد درج کیا جاتا ہے۔ مجازی معانی کسی لفظکے ایسے معانی کو کہتے ہیں جن کا اصل / حقیقی مطلب سے بہت دور کا تعلق ہو۔ مثلاً :ماں بچے کے لیے کہے: میرا چاند آگیا۔اس جملے میں چاند کا لفظ اپنے مجازی معنوں میں استعمال ہوا ہے۔یعنہ خوب سورتی کی وجہ سے ماں نے بچے کو مجازی معنوں میں 'چاند' کہا۔

کچھ الفاظ ایسے ہوتے ہیں جن کے لغوی اور مجازی معنوں کے ساتھ ساتھ دیگر مفاہیم میں اصطلاحی معانی بھی ہوتے ہیں۔ مثلاً 'چال' کے لغوی معانی ہیں دھوکا اور فریب۔اسی طرح اصطلاح میں شطرنج کے ایک مہرے کو ایک گھر سے دوسرے گھر لے جانے کو بھی 'چال' کہتے ہیں۔ 'مطلع) کے لغوی معانی ہیں: طلوع ہونے کی جگہ یا موسم کی کیفیت۔ لیکن اصطلاح میں 'مطلع' غزل یا قصیدے کے پہلے شعر کو کہتے ہیں، جس کے دونوں مصرعے ہم قافیہ یا ہم قافیہ ہم رویف ہوں۔

۲۔ محضر کے مختلف انداز سے آپ گزشتہ صفحات میں واقفیت حاصل کر چکے ہیں۔ مجازی اور اصطلاحی محضر کو پیش نظر رکھتے ہوئے درج ذیل تراکیب کو استعمال میں لا کر طلبہ آپس میں گفتگو کریں۔

انگلیوں پر نچانا، سبز باغ دکھانا، صبر ایوب جام جم، آفتاب کو چراغ دکھانا، اینٹ سے اینٹ بجانا، سبز باغ دکھانا، آتش نمرود

۳۔ میر تقی میر کی غزل "دیکھ تو دل سے کہ جاں سے اٹھتا ہے" کو مہدی حسن نے بڑی خوب صورتی سے گایا ہے۔ایک خوش آواز طالب علم توجہ سے سنے اور دیگر ساتھی طلبہ کے سامنے گنگنائے۔ب اقی طلبہ اس غزل کو سن کر کلام کے اہم نکات، تراکیب، مصرعے یا اشعار بر محل اور برجستہ استعمال کر کرنے کی مشق کریں۔

۴۔ مطلع مطلع ثانی، مقطع

غزل یا قصیدے کو پہلے شر کو مطلع کہتے ہیں جس کے دونوں مصرعے ہم قافیہ یا ہم قافیہ ردیف ہوتے ہیں اگر مطلع کے بعد کے شعر میں بھی مطلع جیسا اہتمام ہو تو اُسے مطلع ثانی کہیں گے

غزل یا قصیدے کا آخری شعر جس میں شاعر اپنا تخلص استعمال کرے مقطع کہلاتا ہے۔ مثلاً: احمد ندیم قاسمی کی درج ذیل غزل میں مطلع، مطلع ثانی اور مقطع کی مثالیں ملاحظہ کریں۔

کون کہتا ہے کہ موت آئی تو مر جاؤں گا
میں تو دریا ہوں سمندر میں اتر جاؤں گا
(مطلع)

تیرا در چھوڑ کے میں اور کدھر جاؤں گا
گھر میں گھر جاؤں گا صحرا میں بکھر جاؤں گا
(مطلع ثانی)

زندگی شمع کی مانند جلاتا ہوں ندیمؔ
بجھ تو جاؤں گا مگر صبح تو کر جاؤں گا

(مقطع)

۵۔ درج ذیل شعر کی نثر بنائیے اور اس کا مفہوم برقرار رکھتے ہوئے متبادلات سے واقف ہوتے ہوئے استعمال کریں۔

مہر و وفا و لطف و عنایت ایک سے واقف ان میں نہیں
اور تو سب کچھ طنز و کنایہ، رمز و استعارہ جانے ہے

۶۔ اس غزل کے مطلع اور مقطع کی نشان دہی کریں اور ان کی اشعار کے حوالوں کے ساتھ تشریح کریں۔

۷۔ کالج ہال میں ہونے والے تقریری مقابلے میں مختلف سامعین اور مقاصد کو مد نظر رکھتے ہوئے درج ذیل موضوعات میں سے کسی بھی موضوع پر اشعار اور حوالوں کے ساتھ کم از کم ۳۵۰ الفاظ پر مشتمل تقریر کریں۔

الف۔ مسئلہ کشمیر ب۔ بد عنوانی کی لعنت اور اس کا خاتمہ ج۔ سوشل میڈیا کے آداب

سرگرمی

کالج لائبریری سے فراق گورکھپوری کی غزلیات کا مجموعہ جاری کرائیں اور اس میں سے ایک ایسی غزل منتخب کر کے جماعت کے دیگر طلبہ کو سنائیں جس میں مطلع، مطلع ثانی اور مقطع کا خصوصی اہتمام ہو۔

ہدایات برائے اساتذہ کرام

- طلبہ کو میر تقی میر کے ذاتی حالات کے ان کی شاعری پر اثرات کے حوالے سے آگاہ کریں۔

۲

فراق گورکھ پوری(۱۸۹۶ء۔۱۹۸۲ء)

سر میں سودا بھی نہیں دل میں تمنا بھی نہیں

اس سبق کی تدریس کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

- غزل کی شاعری میں مطلع، مطلعِ ثانی اور مقطع کو شناخت کر سکیں اور ان کے استعمال کی اہمیت واضح کر سکیں۔
- کسی ادبی، علمی یا صحافتی موضوع پر اپنے مطالعے، تجربے اور مشاہدے کی روشنی میں استدلال، درست تلفظ اور عمدہ لب و لہجے کے ساتھ زبانی (فی البدیہہ اور یاد کی ہوئی) تقریر کر سکیں۔
- مختلف منظوم اور منثور اصنافِ ادب پڑھ کر شعرا / مصنفین کے طرزِ تحریر پر تبصرہ کر سکیں۔
- محاسن کلام (علم بیان کی اصطلاحات، تشبیہ، استعارہ، کنایہ، مجاز مرسل) کو شناخت کر سکیں۔

سر میں سودا بھی نہیں دل میں تمنا بھی نہیں
لیکن اس ترک محبت کا بھروسا بھی نہیں

ایک مدت سے تری یاد بھی آئی نہ ہمیں
اور ہم بھول گئے ہوں تجھے ایسا بھی نہیں

آج غفلت بھی ان آنکھوں میں ہے پہلے سے سوا
آج ہی خاطر بیمار شکیبا بھی نہیں

بات یہ ہے کہ سکون دل وحشی کا مقام
کنج زنداں بھی نہیں وسعت صحرا بھی نہیں

ارے صیاد ہمیں گل ہیں ہمیں بلبل ہیں
تو نے کچھ آہ سنا بھی نہیں دیکھا بھی نہیں

یوں تو ہنگامے اٹھاتے نہیں دیوانۂ عشق
مگر اے دوست کچھ ایسوں کا ٹھکانہ بھی نہیں

منہ سے ہم اپنے برا تو نہیں کہتے کہ فراقؔ
ہے ترا دوست مگر آدمی اچھا بھی نہیں

(شبنمستان)

فراق گورکھپوری (۱۸۹۶ء۔ ۱۹۸۲ء)

رگھوپتی سہائے نام، فراق گورکھپوری قلمی نام اور تخلص فراق۔ گورکھپور میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام منشی گورکھ پرشاد تھا جو شہر کے ایک مشہور وکیل تھے۔ تعلیم بہت اچھے ماحول میں ہوئی۔ جس کے باعث کالج اور یونیورسٹی کے امتحانوں میں بہت اونچی پوزیشن حاصل کیں۔ پی۔ سی۔ ایس اور آئی۔ سی۔ ایس کے امتحانوں میں کامیابی حاصل کی اور انڈین سول سروس کے لیے منتخب ہوئے لیکن اپنی افتادِ طبع کے سبب یہ راستہ اختیار نہ کیا۔ ایم اے انگریزی کرنے کے بعد درس و تدریس سے وابستہ ہو گئے۔ اس کا تعلق ترقی پسند تحریک سے رہا۔ بعد ازاں تحریک سے الگ ہو گئے۔

فراق گورکھپوری نے نظمیں، غزلیں اور رباعیاں لکھی ہیں لیکن ان کی زیادہ شہرت ان کی غزلوں کی وجہ سے ہے۔ ان کی غزلوں میں نئے دور کا احساس اور نئی ڈگر کا شعور پایا جاتا ہے۔ انھوں نے زندگی کے سیاسی اور سماجی معاملات کو عالمگیر انسانی پس منظر میں دیکھا ہے اور ان کو انسانی احساسات و جذبات کی روشنی میں پیش کیا۔ انھیں حیات و کائنات پر مکمل ایمان تھا اور اسی ایمان کو انہوں نے اپنی عشقیہ شاعری کا اہم جزو بنایا ہے۔ ان کی شاعری میں ترقی پسندانہ سوچ کی عکاسی ملتی ہے۔ صداقت، جذبات کے ساتھ ساتھ اصالیت، کیفیت، ہمہ گیری اور زبان و بیان کا خاص انداز ان کی شاعری کی پہچان ہے وہ استعاروں اور تشبیہوں کے ذریعے اپنے کلام میں ندرت پیدا کرتے ہیں۔ تصانیف: روحِ کائنات، گلِ رعنا، مشعل، شبستان وغیرہ ان کی غزلیں اور نظمیں ہیں۔

مشق

۱۔ درست جواب کے گرد دائرہ لگائیں۔

الف۔ شاملِ نصاب غزل شاعر کے کس مجموعے سے لی گئی ہے؟

(الف) غزلستان (ب) روحِ کائنات (ج) شبنمستان (د) گلِ رعنا

ب۔ فراقؔ کون سی صدی کے شاعر ہیں؟

(الف) اٹھارویں (ب) انیسویں (ج) بیسویں (د) اکیسویں

ج۔ شاعر کو ایک مدت سے کس کی یاد نہیں آئی؟

(الف) دوست کی (ب) محبوب کی (ج) رقیب کی (د) زمانے کی

د۔ خاطرِ بیمار کون ہے؟

(الف) محبوب (ب) شاعر (ج) رقیب (د) ناصح

ر۔ کون گل ہے اور کون بلبل ہے؟

(الف) شاعر (ب) دوست (ج) محبوب (د) رقیب

۲۔ درجہ ذیل سوالوں کے مختصر جواب تحریر کریں۔

الف۔ سکونِ دل و حشی کا مقام کہاں ہے؟

ب۔ شاعر کو ایک مدت سے کس کی یاد نہیں آئی؟

ج۔ شاعر نے سر اور دل میں کس چیز کی کمی کا ذکر کیا ہے؟ د۔ شاعر کسے برا نہیں کہتا اور کیوں؟

۳۔ درجہ ذیل اشعار کی حوالوں (شاعری کے پس منظر انداز بیاں، شعری محاسن کے استعمال کی وضاحت) کے ساتھ تشریح کریں اور فراق گورکھپوری کے طرز تحریر پر تبصرہ کریں۔

سر میں سودا بھی نہیں دل میں تمنا بھی نہیں
لیکن اس ترک محبت کا بھروسا بھی نہیں نہیں
یوں تو ہنگامے اٹھاتے نہیں دیوانہ عشق
مگر اے دوست کچھ ایسوں کا ٹھکانہ بھی نہیں

۴۔ درج ذیل غزل کو پڑھ کر اس میں سے مطلع، مطلع ثانی اور مقطع کی نشان دہی کریں۔

دیدار میں اک طرفہ دیدار نظر آیا
ہر بار چھپا کوئی ہر بار نظر آیا
چھالوں کو بیاباں بھی گلزار نظر آیا
جب چھیڑ پر آمادہ پر خار نظر آیا
ذرہ ہو کہ قطرہ ہو خم خانہ ہستی میں
مخمور نظر آیا سرشار نظر آیا
اے عشق قسم تجھ کو معمورۂ عالم کی
کوئی غم فرقت میں غم خوار نظر آیا
شب کٹ گئی فرقت کی دیکھا نہ فراق آخر
طول غم ہجراں، بھی بے کار نظر آیا

۵۔ اپنے مطالعے، مشاہدے اور تجربے کی روشنی میں "وجود زن سے ہے تصویر کائنات میں رنگ" کے موضوع پر استدلال، درست تلفظ اور عمدہ لب و لہجے کے ساتھ اپنی جماعت کے سامنے فی البدیہہ تقریر کریں۔

۶۔ علم بیان کی اصطلاحات (تشبیہ، استعارہ، کنایہ، مجاز مرسل)

i۔ استعارہ اور ارکان استعارہ

استعارہ کے لفظی معنی ادھار لینے کے ہیں۔ علم بیان کی رو سے جب کوئی لفظ اصل کی بجائے مجازی معنوں میں استعمال ہو اور اس کے حقیقی اور مجازی معنوں کا میں تشبیہ کا تعلق ہو تو اسے استعارہ کہتے ہیں۔ یوں سمجھ لیں کہ تشبیہ میں جو بات مشبہ میں ہوتی ہے اس کا ذکر استعارہ میں نہیں ہوتا۔ لیکن استعارہ میں مشبہ بہ کو مشبہ مان لیا جاتا ہے۔ مثلاً: ماں اپنے بچے کے لیے کہے: چاند سو رہا ہے۔

اک روشن دماغ تھا نہ رہا
شہر میں اک چراغ تھا نہ رہا

ارکان استعارہ: استعارہ کے تین ارکان ہوتے ہیں۔

۱۔ مستعار لہ: جس کے لیے لفظ اُدھار لیا جائے اس کا ذکر استعارے میں نہیں ہوتا۔ اوپر دی گئی مثالوں میں بچہ اور عظیم شخصیت بطور مستعار لہ لوگوں کے استعمال ہوئے ہیں۔

۲۔ مستعار منہ: جس لفظ یا معنی اُدھار لیے جائیں۔ اوپر دی گئی مثالوں میں چاند اور روشن چراغ

۳۔ وجہ جامع: مشترک خوبی یا خامی، اوپر دی گئی مثالوں میں خوبصورتی اور علم کی روشنی۔

ii۔ تشبیہ اور ارکان تشبیہ

تشبیہ کے لفظی معنی ایک چیز کو دوسری چیز کے مانند قرار دینا یا مثال دینا۔ اور علم بیان کی رو سے ایک چیز کسی مشترک خوبی کی بنا پر دوسری چیز کے مانند قرار دیا جائے۔ جب کہ وہ خوبی دوسری چیز میں زیادہ پائی جاتی ہو تو اسے تشبیہ کہتے ہیں۔ مثلاً: چشمے کا پانی برف کی طرح ٹھنڈا ہے۔

زندگی ہے یا کوئی طوفان ہے
ہم تو اس جینے کے ہاتھوں مر چلے

تشبیہ کے پانچ ارکان ہوتے ہیں:

مشبہ، مشبہ بہ، حرفِ تشبیہ، وجہ تشبیہ، غرض تشبیہ

iii۔ کنایہ

کنایہ کے لغوی معنی چھپی ہوئی، پوشیدہ یا مبہم بات کے ہیں۔ جب کوئی لفظ حقیقی کی بجائے مجازی معنوں میں اس طرح استعمال ہو کہ اُس سے حقیقی معنی بھی مراد لیے جا سکیں۔ مثلاً: بال سفید ہو گئے مگر عادتیں نہ بدلیں۔ یہاں بال سفید ہونا سے مراد عمر کا زیادہ ہونا ہے۔

اُسے کالے نے کاٹا سے مراد سانپ نے کاٹا۔

۴۔ مجاز مرسل:

اگر کسی لفظ کو حقیقی کی بجائے مجازی (غیر حقیقی) معنوں میں استعمال کیا جائے اور دونوں میں تشبیہ کے علاوہ کوئی اور تعلق ہو تو اُسے مجاز مرسل کہتے ہیں۔

مجاز مرسل کے استعمال کی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں۔

i. جزو کہہ کر کل مراد لینا۔ مثلاً: انسان کی زندگی چار دن کی ہے۔

ii. کُل کہہ کر جزو مراد لینا۔ مثلاً: احمد لاہور میں رہتا ہے۔

iii. ظرف کہہ کر مظروف مراد لینا۔ مثلاً: اکرم نے بوتل پی۔

iv. مظروف کہہ کر ظرف مراد لینا۔ مثلاً: چائے چولہے پر رکھی ہے۔

❖ تشبیہ، استعارہ، کنایہ، مجاز مرسل کی درج ذیل مثالوں میں شناخت کریں۔

والد نے اپنے بیٹے سے کہا: میرا شیر آگیا۔

اسلم کے دانت موتیوں کی طرح چمکدار ہیں۔

جب سے چولہا ٹھنڈا ہوا کوئی پوچھنے والا نہیں۔

آمنہ بازار سے سودا لائی۔

سرگرمیاں

- انٹرنیٹ کی مدد سے فراق گورکھپوری کی غزلیں سنیں اور اپنی رائے کا اظہار کریں
- لائبریری سے فراق کے کسی مجموعہ کلام کا مطالعہ کریں اور شاعر کے طرزِ تحریر پر تبصرہ کریں۔

ہدایات برائے اساتذہ

طلبہ کو تقریر لکھنے کے لیے لائبریری سے یا انٹرنیٹ کی مدد سے دیگر حوالہ جاتی مواد تلاش کرنے میں مدد دیں اور فہرست کی ترتیب سمجھائیں درجہ بندی کے لحاظ سے انھیں کتابیں ڈھونڈنے میں مدد کریں نیز ڈیجیٹل لائبریری کا استعمال بھی سکھائیں۔

(منیر نیازی، (۱۹۲۸ء۔۲۰۰۶ء)

۳ بے چین بہت پھرنا گھبرائے ہوئے رہنا

- منشور/منظوم کلام سے متعلق اشارات اور اہم نکات سن کر ان کے فہم کا تجزیہ کر سکیں اور اپنے علم کی روشنی میں رائے دے سکیں
- اصناف نظم کے محاسن (تلمیح، رعایت لفظی، صنعت مراعاۃ النظیر، صنعت حسن تعلیل، صنعت مبالغہ، صنعت تکرار) کو شناخت کر سکیں۔
- نظم و نثر کے متن کے فہم کا اظہار کرتے ہوئے ذاتی اور معاشرتی زندگی سے تعلق قائم کر سکیں۔
- ڈیجیٹل لائبریری، لائبریری کی درجہ بندی اور فہرست کی ترتیب کو سمجھتے ہوئے اس کا استعمال کر سکیں۔
- نظم و نثر کو فہم کے ساتھ پڑھ کر مصنف/شاعر کی تکنیک، مقصد اور اسلوب پر مبنی سوالات کے جواب دے سکیں۔
- عمدہ سامع کے طور پر مصرعوں، شعروں، نظموں، گیتوں وغیرہ کے تلفظ، آہنگ، لحن، لے، اور ادائی سے شعوری طور پر لطف اندوز ہوتے ہوئے اس پر اپنی رائے دے سکیں۔

بے چین بہت پھرنا گھبرائے ہوئے رہنا
اک آگ سی جذبوں کی دہکائے ہوئے رہنا

چھلکائے ہوئے چلنا خوشبو لب لعلیں کی
اک باغ سا ساتھ اپنے مہکائے ہوئے رہنا

اس حسن کا شیوہ ہے جب عشق نظر آئے
پردے میں چلے جانا شرمائے ہوئے رہنا

اک شام سی کر رکھنا کاجل کے کرشمے سے
اک چاند سا آنکھوں میں چمکائے ہوئے رہنا

عادت ہی بنا لی ہے تم نے تو منیرؔ اپنی
جس شہر میں بھی رہنا اکتائے ہوئے رہنا

(چھ رنگین دروازے)

منیر نیازی(۱۹۲۸ء۔۲۰۰۶ء)

منیر نیازی متحدہ ہندوستان ضلع ہوشیار پور میں پیدا ہوئے۔ مکمل نام منیر احمد نیازی تھا۔ ابتدائی تعلیم خان پور میں حاصل کی۔ تقسیم ہند کے بعد پاکستان تشریف لائے اور پنجاب کے ضلع ساہیوال میں سکونت اختیار کی اور میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ بہاولپور کے ایک کالج سے ایف اے کرنے کے بعد لاہور آ گئے اور دیال سنگھ کالج سے بی اے کیا۔ ۱۹۴۹ء میں ہی انھوں نے ساہیوال سے ہفت رنگ کے نام سے ایک ہفتہ وار رسالے کا آغاز کر دیا تھا۔ انھوں نے فلمی نغمے بھی لکھے جیسے اک بے وفا کا شہر ہے اور ہم ہے دوستو!

منیر نیازی نے پنجابی اور اردو دونوں زبانوں میں لکھا اور بھرپور لکھا۔ ان کا کلام اپنی اثر آفرینی کے لحاظ سے بے مثال ہے۔ وہ عام فہم زبان اور سادہ لفظوں میں مہارت کے ساتھ باریک خیالات چابک دستی سے پیش کرتے ہیں۔ ان کی پنجابی شاعری پڑھنے سے یوں لگتا ہے کہ کوئی ماہر زبان دان بول رہا ہے اور اردو پڑھیں تو لگتا ہے کوئی اہل زبان محوِ گفتگو ہے۔ ان کی پنجابی شاعری کے مجموعوں میں سفر دی رات، چار چپ چیزاں، اور داستادس والے تارے اہم ہیں۔ اردو مجموعوں میں تیز ہوا اور تنہا پھول، جنگل میں دھنک، دشمنوں کے درمیان شام، ماہِ منیر، کلیات منیر اور ایک لمحہ تیز سفر کا شامل ہیں۔

منیر نیازی ایک صاحب طرز شاعر سمجھے جاتے ہیں۔ انھوں نے لہجے، ترنم، روانی اور لفظوں کے انتخاب میں اپنی مہارت کو ثابت کیا۔ حکومت پاکستان نے ان کی خدمات کے عوض انھیں پرائڈ آف پرفارمنس (۱۹۹۲) اور ستارۂ امتیاز (۲۰۰۵) کے اعزازات سے نوازا۔ دے کی بیماری میں مبتلا ہونے کے بعد ۲۰۰۶ء کو لاہور میں وفات پائی۔ پنجاب انسٹی ٹیوٹ آف لینگویج، آرٹ اینڈ کلچر لاہور نے ان کی چھیاسویں سالگرہ کے موقع پر ایک کتاب "منیر نیازی کی باتیں، یادیں" شائع کر کے انھیں خراج تحسین پیش کیا۔

مشق

۱۔ مناسب ترین جواب کی نشان دہی کریں۔

الف۔ غزل کے معنی ہیں:

(الف) چھلانگیں لگانا (ب) شور مچانا (ج) عورتوں سے باتیں کرنا (د) ہرن کی چال چلنا

ب۔ لب لعلیں قواعد کی رُو سے ہے۔

(الف) مرکب اضافی (ب) مرکب توصیفی (ج) مرکب عطفی (د) مرکب جاری

ج۔ مطلع اور مقطع ہیں:

(الف) پہلا اور آخری شعر (ب) پہلا اور دوسرا شعر (ج) پہلا اور تیسرا شعر (د) تیسرا اور آخری شعر

د۔ افسانہ فنی طور پر قدرے قریب ہوتا ہے:

(الف) سفر نامہ کے (ب) ڈرامہ کے (ج) کہانی کے (د) مضمون کے

اک شام سی کر رکھنا۔۔۔ میں استعمال ہے:

(الف) استعارے کا (ب) تشبیہ کا (ج) تلمیح کا (د) مجاز مرسل کا

۲۔ شاعر کی تکنیک، مقصد اور اسلوب پر مبنی درج ذیل کے جوابات لکھیں۔

الف۔ اک چاند سا آنکھوں میں چمکائے ہوئے رہنا کی وضاحت کریں اور فنی خوبیاں لکھیں۔

ب۔ غزل کے مطلع اور مقطع میں کیا مماثلت (بہ لحاظ مفہوم) پائی جارہی ہے؟

ج۔ غزل میں ہماری معاشرتی زندگی کے کس پہلو کا عکس نظر آتا ہے؟

د۔ غزل کے ادبی محاسن سامنے رکھتے ہوئے منیر نیازی کے طرز تحریر پر تبصرہ کریں؟

ر۔ جزئیات نگاری سے کیا مراد ہے اپنے جواب کی وضاحت مثال دے کر کریں۔

۳۔ شاعر نے اپنی اس غزل کے مطلع اور مقطعے میں بتایا ہے کہ جب انسان کے دل میں جذبات کا الاؤ روشن ہو جاتا ہے تو اس کی بے چینی میں اضافہ ہو جاتا ہے اور جن اس کے انھی جذبات واحساسات کو کسی بھی سطح پر اہمیت نہیں ملتی تو اس کی مایوسی میں اضافہ کر دیتی ہے جو رفتہ رفتہ مستقل اکتاہٹ اور بے زاری کا باعث بن جاتی ہے۔

ان موضوعات کی اہمیت کو سمجھتے ہوئے متذکرہ بالا اشارات اور اہم نکات کے فہم کا تجزیہ کریں اور اپنے علم کی روشنی میں رائے دیں۔

۴۔ منیر نیازی کی اس غزل کے مطلع اور مقطع کے بیان کیے گئے درج بالا اشارات اور اہم نکات کا اظہار کرتے ہوئے ان موضوعات کا تعلق ذاتی اور معاشرتی زندگی کے ساتھ قائم کرنے کی کوشش کریں۔

۵۔ پاکستان کی معروف غزل گائیکہ فریدہ خانم نے اس غزل کو ترنم سے گایا ہے۔ استاد محترم /استانی صاحبہ کے موبائل فون سے، منیر نیازی کی یہ غزل ڈاؤن لوڈ کریں اور کالج کے ملٹی میڈیا پر تمام طلبہ اسے بہ غور سنیں اور عمدہ سامع کے طور پر مصرعوں، شعروں وغیرہ کے تلفظ۔ آہنگ، لحن، لے، اور ادائی سے شعری طور پر لطف اندوز ہوں اور بعد میں اپنی رائے کا اظہار بھی کریں۔

۵۔ اصناف نظم کے محاسن کا تصور اور شناخت۔

i۔ صنعتِ تلمیح:

تلمیح کے لغوی معنی ہیں اشارہ کرنا۔ کلام میں قرآنی آیت، حدیثِ مبارکہ یا کسی تاریخی، مذہبی واقعے کی طرف اشارہ کرنا تلمیح کہلاتا ہے۔

چشمِ اقوام ، یہ نظارہ ابد تک دیکھے
رفعتِ شانِ رَفَعنَا لَکَ ذِکرَکَ دیکھے

ii۔ صنعتِ تکرار:

کلام میں لفظ یا الفاظ کو تکرار کے ساتھ استعمال کرنا یعنی اشعار میں ایک لفظ یا الفاظ کو بار بار استعمال کرنا صنعتِ تکرار کہلاتا ہے۔ مثلاً:

پتھّر کو گوہر کہہ کہہ کر
بد کو بہتر کہہ کہہ کر
ہم نے ماحول بگاڑا ہے
رہزن کو رہبر کہہ کہہ کر

شاعر نے ان اشعار میں لفظ "کہہ" کو تکرار کے ساتھ استعمال کر کے ایک حُسن پیدا کیا ہے جسے صنعتِ تکرار کہیں گے۔ اسی طرح

آدمی آدمی سے ملتا ہے
دل مگر کم کسی سے ملتا ہے

iii۔ صنعتِ مرآعاۃالنظیر

کلام میں ایسے متعدد الفاظ لے کر آنا جن کی آپس میں کوئی نہ کوئی نسبت ہو لیکن وہ باہم متضاد نہ ہوں صنعتِ مرآعاۃالنظیر کہلاتا ہے۔ مثلاً:

ہو مرا ریشۂ امید وہ نخل سر سبز
جس کی ہر شاخ میں ہو پھول ہر پھول میں ہو پھل

اس مثال میں نخل، سرسبز، پھول، شاخ اور پھل ایک ہی نسبت کے الفاظ ہیں۔ اسی طرح:

iv۔ رعایت لفظی: کسی لفظ کو اس طرح استعمال کرنا کہ اس کے دو معنی نکلیں۔ ایک معنی تو موقع محل کے مطابق ہو اور سُننے والے کا ذہن بھی اس طرف جائے لیکن ذرا غور کرنے پر اس سے دوسرے معنی نکلیں۔

لام نستعلیق کا ہے اس بت خوش خط کی زلف
ہم تو کافر ہوں اگر بندے نہ ہوں اس لام کے

اس کے رخسار دیکھ جیتا ہوں
عارضی میری زندگانی ہے

v۔ صنعتِ مبالغہ:

مبالغہ کے لئے ہے، حد سے بڑھنا، شعری اصطلاح میں مبالغہ اُس سند کا نام ہے جس کے ذریعے کسی شئے یا شخص کی بعید قیاس (ناقابل یقین حد تک بڑھاچڑھاکر) تعریف یا مذمت کی جائے:

کل رات ہجر یار میں رویا۔ میں اس قدر
چوتھے فلک پہ پہنچا تھا پانی، کمر، کمر

vi۔ صنعتِ حسن تعلیل:

کلام میں کسی بات یا چیز کی علت (وجہ یا سبب) بیان کرنا جو در حقیقت علت نہ ہو۔ شاعری میں حسن تعلیل دراصل وہ صفت ہے جس میں شاعر ایسی چیز کو کسی چیز کی علت فرض کرتا ہے جو دراصل اس کی علت نہیں ہوتی۔ مثلاً:

کون سی ہے وہ مصیبت مجھ پہ جو ٹوٹی نہیں
رات دن گردش میں ہفت آسماں میرے لیے

سجدہ شکر میں ہے شاخ ثمر دار ہر اک
دیکھ کر باغ جہاں میں کرم عزوجل

۶۔ درج ذیل اشعار میں سے صنعت تلمیح، صنعت تکرار، صنعت مراعاۃ النظیر اور صنعت مبالغہ کی شناخت کریں۔

ابنِ مریم ہوا کرے کوئی
میرے دُکھ کی دوا کرے کوئی

آدمی آدمی سے ملتا ہے
دل مگر کم کسی سے ملتا ہے

پتا پتا بوٹا بوٹا حال ہمارا جانے ہے
جانے نہ جانے گل ہی نہ جانے باغ تو سارا جانے ہے

گرمی کا روز جنگ کی کیوں کر کروں بیاں
ڈر ہے کہ مثل شمع نہ جلنے لگے زباں

سرگرمیاں

- اپنے اپنے موبائل فون سے یا کمپیوٹر کی مدد سے آن لائن جا کر منیر نیازی کی کوئی اور غزل تلاش کر کے لکھیں اور پانچ کے گروہ میں بیٹھ کر اس کے فنی محاسن پر بات چیت کریں۔
- کم از کم تین شاعروں ادیبوں کی تحریروں کا (کتاب سے) تقابلی چارٹ، بنائیں اور گروہ میں بتائیں کہ ادبی تحریریں مختلف ادوار میں معاشرت و ثقافت کی عکاس کیسے ہوتی ہیں۔
- ڈیجیٹل لائبریری کو استعمال کرتے ہوئے منیر نیازی کے تمام شعری مجموعوں کی فہرست مرتب کریں اور ہر شعری مجموعے کے سامنے اس کا سال اشاعت بھی تحریر کریں۔

ہدایات برائے اساتذہ کرام

- منیر نیازی کے انداز بیان کے حوالے سے طلبہ کی رہ نمائی کریں
- مختلف اصناف نظم و نثر کی پہچان کرائیں اور متعلقہ مواد پڑھنے کے لیے حوالہ جات فراہم کریں۔ پھر پڑھے گئے مواد پر سوال و جواب سے جائزہ لیں۔
- تبصرہ نگاری خلاصہ نگاری اور مرکزی خیال لکھنے کے اصول سکھائیں اور عمل کرائیں
- ادبی حوالوں سے تقریر تیار کرنے میں طلبہ کی رہ نمائی اور مدد کریں۔

احمد فراز (۱۹۳۱ء۔۲۰۰۸ء)

۴ سلسلے توڑ گیا وہ سبھی جاتے جاتے

اس غزل کی تدریس کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

- نظم و نثر کو فہم کے ساتھ پڑھ کر مصنف/شاعر کی تکنیک، مقصد اور اسلوب پر مبنی سوالات کے جوابات دے سکیں۔
- عبارت کو درست تلفظ، لب و لہجے، اتار چڑھاؤ اور ضرورت کے مطابق تاثر کے ساتھ پڑھ سکیں۔
- مختلف منظوم/منثور اصناف ادب پڑھ کر شعرا/مصنفین کے طرز تحریر پر تبصرہ کر سکیں۔
- مختلف عبارات کی غرض و غایت اور ساخت کو پیش نظر رکھتے ہوئے ان کا مناسب اور محتاط موزانہ اور تبصرہ (استحسان و تنقید) کر سکیں۔
- غزل کی شاعری میں مطلع، مطلع ثانی اور مقطع کو شناخت کر سکیں اور ان کے استعمال کی اہمیت واضح کر سکیں۔
- نظم/غزل کے اشعار کے حوالوں (شاعری کے پس منظر، انداز بیاں، شعری محاسن کے استعمال کی وضاحت) کے ساتھ تشریح کر سکیں۔

پڑھیں

سلسلے توڑ گیا وہ سبھی جاتے جاتے
ورنہ اتنے تو مراسم تھے کہ آتے جاتے

شکوۂ ظلمت شب سے تو کہیں بہتر تھا
اپنے حصے کی کوئی شمع جلاتے جاتے

کتنا آساں تھا ترے ہجر میں مرنا جاناں
پھر بھی اک عمر لگی جان سے جاتے جاتے

جشن مقتل ہی نہ برپا ہوا ورنہ ہم بھی
پابجولاں ہی سہی ناچتے گاتے جاتے

اس کی وہ جانے اسے پاس وفا تھا کہ نہ تھا
تم فرازؔ اپنی طرف سے تو نبھاتے جاتے

(خواب گل پریشاں)

احمد فرازؔ (۱۹۳۱ء۔۲۰۰۸ء)

احمد فرازؔ کی پیدائش صوبہ خیبر پختون خوا کے شہر کوہاٹ میں ہوئی۔ اصل نام سید احمد شاہ تھا۔ اسلامیہ ہائی سکول پشاور سے میٹرک اور جامعہ پشاور سے ایم اے اردو اور ایم فارسی کا امتحان پاس کر کے اسلامیہ کالج پشاور میں لیکچرار کی حیثیت سے تدریس و تعلم کی خدمات سرانجام دیتے رہے۔ ریڈیو پاکستان، پاکستان نیشنل سنٹر، وزارتِ اطلاعات، اکادمی ادبیات پاکستان اور نیشنل بک فاؤنڈیشن جیسے سرکاری اداروں میں مختلف عہدوں پر خدمات سرانجام دیں۔ احمد فراز کی ادبی خدمات کے صلے میں انھیں آدم جی ادبی ایوارڈ، فراق گورکھ پوری ایوارڈ (بھارت)، اباسین ایوارڈ اور دیگر کئی سرکاری حکومتی ایوارڈز سے بھی نوازا گیا۔

احمد فرازؔ آزادیٔ اظہار کے قائل تھے اور اپنی شاعری کو غمِ دوراں اور غمِ جاناں کا ایک حسین امتزاج بنا کر پیش کیا۔ اپنی شاعری کے تیکھے پن، کاٹ دار لب و لہجے کے باعث کئی بار قید و بند کی صعوبتیں بھی برداشت کرنا پڑیں۔ نغمگی، موسیقیت، تغزل، روانی، رومانویت، خیالات کی فراوانی اور نزاکت، سہلِ ممتنع، زندگی کے تلخ حقائق، تجربات اور مشاہدات کے بیان نے احمد فراز کی شاعری بالخصوص غزلیات کو جو قبولیتِ عام کا مرتبہ حاصل ہوا، وہ اردو شاعری میں کم ہی شاعروں کے حصے میں آسکا۔ احمد فرازؔ کے کلام میں سرشاری، خود سپردگی، سوز و گداز، دکھ اور رنج کی کیفیات بھی غالب دکھائی دیتی ہیں۔ احمد فراز کا عشق ہجر و فراق کی شدتوں، گہرائیوں اور گیرائیوں سے آشنا نظر آتا ہے۔ احمد فراز کے دردِ آشوب، تنہا تنہا، شب خون، میرے خواب ریزہ ریزہ، جاناں جاناں، اے آواز گلی کوچوں میں، سب آوازیں میری ہیں، پس انداز موسم، غزل بہانہ کروں، خواب گل پریشان ہے، اے عشق جنوں پیشہ ہیں۔

احمد فراز کے کلام میں شاعرانہ شگفتگی کے ساتھ تفکر اور سماجی ناانصافیوں اور ناہمواریوں میں موجود ہے۔

مشق

۱۔ شاعری کی تکنیک اور اسلوب پر مبنی درج ذیل سوالات کے جواب دیں۔

الف۔ غزل کے مطلع میں شاعر کو کیا شکوہ ہے؟ ب۔ شکوہ ظلمت شب سے بہتر کیا کام ہو سکتا ہے۔

ج۔ احمد فرازؔ کو شاعری کی کس خوبی کی بنا پر شہرت و مقبولیت حاصل ہوئی۔

د۔ رومانویت احمد فرازؔ کی شاعری کا خاصا ہے، اس غزل میں سے رومانویت کے حوالے سے ایک شعر کا انتخاب کر کے لکھیں

ہ۔ احمد فرازؔ نے اس غزل میں قافیے ردیف سے جو صوتی آہنگ پیدا کیا ہے، اُس کی وضاحت کریں۔

۲۔ احمد فرازؔ کی غزل کے مطلع میں محبوب کی بے رُخی کا شکوہ اور مقطع میں اپنی ذمہ داری کو واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ان اشارات کی مدد سے اس غزل کے مطلع اور مقطع کے فہم کا تجزیہ کرنے کی مشق کریں اور اپنی رائے دیں۔

۳۔ درج ذیل اشعار کو درست تلفظ، لب و لہجے، اتار چڑھاؤ اور ضرورت کے مطابق تاثر کے ساتھ پڑھیں

شکوۂ ظلمتِ شب سے تو کہیں بہتر تھا
اپنے حصے کی کوئی شمع جلاتے جاتے
اس کی وہ جانے اسے پاسِ وفا تھا کہ نہ تھا
تم فرازؔ اپنی طرف سے تو نبھاتے جاتے

۴۔ شاملِ نصاب غزل کے علاوہ احمد فرازؔ کی ''اب کے تجدیدِ عہد وفا کا نہیں امکان جاناں'' والی غزل بھی پڑھیں اور ان کے طرزِ تحریر پر تبصرہ کرنے کی مشق کریں۔ اس قافیہ ردیف کے تجربے اور تغزل کے حوالے سے اُستاد محترم/استانی صاحبہ سے بھی رہنمائی حاصل کریں

۵۔ احمد فراز کی پڑھی گئی شامل نصاب کے درج ذیل اشعار کو دہراتے ہوئے حوالوں اور دلائل کے ساتھ اظہار رائے کرتے ہوئے متعلقہ حصے پر جزئیات کے ساتھ تبصرہ کریں۔

کتنا آساں تھا تیرے ہجر میں مرنا جاناں
پھر بھی اک عمر لگی جان سے جاتے جاتے
جشنِ مقتل ہی نہ برپا ہُوا ورنہ ہم بھی
پابجولاں ہی کہی ناچتے گاتے جاتے

۶۔ فیض احمد فیضؔ اور احمد فرازؔ نے غمِ جاناں اور غمِ دوراں کو اپنی شاعری میں اس طرح سمویا کہ اُن کی شاعری دونوں کا خوب صورت سنگم بن گئی۔ درج ذیل دونوں شعرا کا ایک ایک شعر دیا جارہا ہے جس میں شعرا نے مشکل حالات میں بلند حوصلہ رہنے کی تلقین کی ہے۔ آپ ان دونوں اشعار کو پڑھ کر غرض و غایت اور ساخت کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے ان کا مناسب اور محتاط موازنہ اور تبصرہ (استحسال و تنقید) کرنے کی مشق کریں۔

جس دھج سے کوئی مقتل میں گیا وہ شان سلامت رہتی ہے
یہ جان تو آنی جانی ہے، اس جاں کی تو کوئی بات نہیں
(فیض احمد فیضؔ)

جشنِ مقتل ہی نہ برپا ہوا ورنہ ہم بھی
پابجولاں ہی سہی ناچتے گاتے جاتے
(احمد فرازؔ)

۷۔ درج ذیل اشعار کے حوالوں (شاعری کے پس منظر، اندازِ بیان، شعری محاسن کے استعمال کی وضاحت) کے ساتھ تشریح کریں۔

سلسلے توڑ گیا وہ سبھی جاتے جاتے
ورنہ اتنے تو مراسم تھے کہ آتے جاتے

کتنا آساں تھا ترے ہجر میں مرنا جاناں
پھر بھی اک عمر لگی جان سے جاتے جاتے

سرگرمی

فیض احمد فیضؔ، ناصر کاظمیؔ اور احمد فرازؔ کی غزلیات میں سے پانچ پانچ اپنے پسندیدہ اشعار لکھیں اور باقی طلبہ ساتھیوں کو سنائیں۔

ہدایات برائے اساتذہ کرام

- طلبہ کو قیامِ پاکستان کے بعد مزاحمتی ادب بالخصوص اُردو شاعری کے حوالے سے، آگاہ کریں تاکہ طلبہ فیض احمد فیض اور احمد فراز کی شاعری میں موجود بین السطور موضوعات کی تفہیم کر سکیں اور اُن پر اپنی ذہنی سطح کے مطابق تبصرہ کر سکیں۔

(پروین شاکر ۱۹۵۲ء۔ ۱۹۹۴ء)

۵ باد باں کھلنے سے پہلے کا اشارہ دیکھنا

اس نظم کی تدریس کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

- عمدہ سامع کے طور پر الفاظ جملوں مصروں شعروں نظموں گیتوں وغیرہ کے تلفظ، آہنگ، لحن، لے اور ادائی سے شعوری طور پر لطف اندوز ہوتے ہوئے اس پر اپنی رائے دے سکیں۔
- کسی بات پیغام کلام نشریات کہانی مکالمے کو سن کر دہراتے ہوئے کمی بیشی کے ساتھ بیان کر سکیں۔
- عبارت کو درست تلفظ، لب ولہجے، اتار چڑھاؤ اور ضرورت کے مطابق تاثر کے ساتھ پڑھ سکیں۔
- کسی بھی نظم کو پڑھ کر حوالوں کے ساتھ اس کے اشعار کی تشریح کرتے ہوئے تنقید و تبصرہ کر سکیں۔
- نظم /غزل کے اشعار کے حوالوں (شاعری کے پس منظر، انداز بیاں، شعری محاسن کے استعمال کی وضاحت) کے ساتھ تشریح کر سکیں۔
- نظم و نثر کو فہم کے ساتھ پڑھ کر مصنف/ شاعر کی تکنیک، مقصد اور اسلوب پر مبنی سوالات کے جوابات دے سکیں۔
- اصناف نظم کے محاسن (تلمیح، رعایت لفظ، مراۃالنظیر، حسن تعلیل، مبالغہ اور تکرار) کی شناخت کر سکیں۔

پڑھیں

باد باں کھلنے سے پہلے کا اشارہ دیکھنا
میں سمندر دیکھتی ہوں تم کنارہ دیکھنا

یوں بچھڑنا بھی بہت آساں نہ تھا اس سے مگر
جاتے جاتے اس کا وہ مڑ کر دوبارہ دیکھنا

کس شباہت کو لیے آیا ہے دروازے پہ چاند
اے شب ہجراں ذرا اپنا ستارہ دیکھنا

کیا قیامت ہے کہ جن کے نام پر پسپا ہوئے
ان ہی لوگوں کو مقابل میں صف آرا دیکھنا

جب بنام دل گواہی سر کی مانگی جائے گی
خون میں ڈوبا ہوا پرچم ہمارا دیکھنا

جیتنے میں بھی جہاں جی کا زیاں پہلے سے ہے
ایسی بازی ہارنے میں کیا خسارہ دیکھنا

آئنے کی آنکھ ہی کچھ کم نہ تھی میرے لیے
جانے اب کیا کیا دکھائے گا تمھارا دیکھنا
ایک مشت خاک اور وہ بھی ہوا کی زد میں ہے
زندگی کی بے بسی کا استعارہ دیکھنا
(صد برگ)

(پروین شاکر ۱۹۵۲ء۔ ۱۹۹۴ء)

پروین شاکر کو اردو کی منفرد لہجے کی شاعرہ ہونے کی وجہ سے بہت ہی کم عرصے میں وہ شہرت حاصل ہوئی جو بہت کم لوگوں کو حاصل ہو پاتی ہے۔ 24 نومبر، 1952ء کو پاکستان کے شہر کراچی میں پیدا ہوئیں۔ آپ کے والد کا نام سید شاکر حسن تھا۔ ان کا خانوادہ صاحبان علم کا خانوادہ تھا۔ ان کے خاندان میں کئی نامور شعرا اور ادبا پیدا ہوئے۔ جن میں بہار حسین آبادی کی شخصیت بہت بلند و بالا ہے۔ آپ کے نانا حسن عسکری اچھا ادبی ذوق رکھتے تھے۔ انہوں نے بچپن میں پروین کو کئی شعرا کے کلام سے روشناس کروایا۔ پروین ایک ہونہار طالبہ تھیں۔ دوران تعلیم وہ اردو مباحثوں میں حصہ لیتی رہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ ریڈیو پاکستان کے مختلف علمی ادبی پروگراموں میں شرکت کرتی رہیں۔ انگریزی ادب اور زبان دانی میں گریجویشن کیا اور بعد میں انہی مضامین میں جامعہ کراچی سے ایم اے کی ڈگری حاصل کی۔ پروین شاکر استاد کی حیثیت سے درس و تدریس کے شعبہ سے وابستہ رہیں اور پھر بعد میں آپ نے سرکاری ملازمت اختیار کرلی۔ سرکاری ملازمت شروع کرنے سے پہلے نو سال شعبہ تدریس سے منسلک رہیں اور 1986ء میں کسٹم ڈیپارٹمنٹ، سی۔ بی۔ آر اسلام آباد میں سیکرٹری دوم کے طور پر اپنی خدمات انجام دینے لگیں۔ 1990ء میں ٹرینٹی کالج جو امریکا سے تعلق رکھتا تھا سے تعلیم حاصل کی اور 1991ء میں ہارورڈ یونیورسٹی سے پبلک ایڈمنسٹریشن میں ماسٹرز کی ڈگری حاصل کی۔ پروین کی شادی ڈاکٹر نصیر علی سے ہوئی جس سے بعد میں طلاق لے لی۔ شاعری میں آپ کو احمد ندیم قاسمی صاحب کی سرپرستی حاصل رہی۔ آپ کا بیشتر کلام ان کے رسالے فنون میں شائع ہوتا رہا۔ پروین شاکر نئے لب و لہجے کی شاعرہ تھیں جنھوں نے مرد کے حوالے سے عورت کے جذبات و احسات کو لطیف پیرائے میں بیان کیا۔ ان کی شاعری نہ تو روایتی عشقیہ شاعری ہے اور نہ کھل کھیلنے والی رومانوی شاعری۔ جذبات و احساسات کی شدت اور اس کا سادہ لیکن فنکارانہ بیان پروین شاکر کی شاعری کی خاص خوبی ہے۔ خوشبو، خود کلامی، انکار، صد برگ آپ کے شعری مجموعے ہیں۔ "ماہ تمام" کے نام سے پروین شاکر کا کلیات بھی شائع ہو چکا ہے۔

مشق

۱۔ شاعرہ کی تکنیک: مقصد اور اسلوب پر مبنی درج ذیل سوالات کے جوابات دیں۔

الف۔ پروین شاکر کا اردو غزل گو شاعرات میں کیا مقام ہے؟
ب۔ پروین شاکر کی غزل کس طرح دوسرے غزل گو شاعرات سے مختلف ہے؟
ج۔ اے شب ہجر اس ذرا اپنا ستارہ دیکھنا" کا مفہوم اپنے الفاظ میں لکھیں؟
د۔ شاعرہ کے نزدیک کس بازی کے ہارنے میں خسارہ نہیں دیکھا جاتا؟
ہ۔ پروین شاکر کی اس غزل میں سے اُن اشعار کی نشان دہی کریں جن میں "صنعت تکرار" استعمال کی گئی ہے؟

۲۔ پروین شاکر کی معروف غزل:

کو بہ کو پھیل گئی بات شناسائی کی
اس نے خوش بو کی طرح میری پذیرائی کی

اپنے استاد محترم استانی صاحبہ کے موبائل فون سے مہدی حسن کی آواز میں سنیں اور عمدہ سامع کے طور پر الفاظ، مصروں، شعروں کے تلفظ، آہنگ، لحن، لے اور ادائی سے شعوری طور پر لطف اندوز ہوتے ہوئے اس پر اپنی رائے دے

۳۔ درج ذیل اشعار کو ایک طالب علم تحت اللفظ میں ادا کر کے اور باقی طلبہ اس میں بیان کیے گئے موضوع یا مضمون کو دہراتے ہوئے کمی بیشی کے ساتھ اپنے الفاظ میں بیان کریں۔

بادباں کھلنے سے پہلے کا اشارہ دیکھنا
میں سمندر دیکھتی ہوں تم کنارہ دیکھنا

۴۔ درج ذیل اشعار کو درست تلفظ، لب و لہجے، اتار چڑھاؤ اور ضرورت کے مطابق تاثر کے ساتھ پڑھیں۔

یوں بچھڑنا بھی بہت آسان نہ تھا اس سے مگر
جاتے جاتے اس کا وہ مڑ کر دوبارہ دیکھنا
جب بہ نام دل، گواہی سر کی مانگی جائے گی
خون میں ڈوبا ہوا پرچم ہمارا دیکھنا

۵۔ اس غزل کو پڑھنے کے بعد پروین شاکر کے طرز تحریر پر مختصراً تبصرہ کریں۔

۶۔ غزل کے درج ذیل اشعار کی حوالوں (شاعری کے میرے منظر انداز بیان، شعری محاسن کے استعمال کی وضاحت) کے ساتھ تشریح کریں۔

بادباں کھلنے سے پہلے کا اشارہ دیکھنا
میں سمندر دیکھتی ہوں تم کنارہ دیکھنا
کیا قیامت ہے کہ جن کے نام پر پسپا ہوئے
ہوئے ان ہی لوگوں کو مقابل میں صف آرا دیکھنا

سرگرمی

لائبریری میں موجود اردو غزل یا نظم گو شاعرات کی ایک فہرست بنائیں اور ہر ایک کے نام کے سامنے متعلقہ شاعر کے ایک ایک شعری مجموعے کا نام لکھیں۔

ہدایات برائے اساتذہ کرام

اردو غزل کو ایک مقبول عام صنف شاعری بنانے میں "شاعرات کا حصہ" کے حوالے پروین شاکر، پروین فناسید، ادا جعفری جیسی شاعرات کے کردار پر روشنی ڈالیں۔

فرہنگ

اخلاق حسنہ

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
اذن	اجازت	استہزا	مذاق اُڑانا
امتثال	کی مانند، کی طرح	بینائی	دیکھنے کی صلاحیت
پیش دستی	پہل کرنا، ابتدا کرنا	جاڑوں کا دن	سردیوں کا دن
متبرک	بابرکت، معزز، بزرگ		

نیا قانون

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
آہنی چھت	لوہے کی چھت	بیاج	سُود
پیش خیمہ	نتیجہ، کسی کام سے پہلے آنے والی صورت	تگڑا آدمی	طاقت ور آدمی
تمتمایا ہوا	چمکتا ہُوا	تنفر	نفرت، بیزاری
ٹوڈی بچہ	خوشامدی، ذلیل بچہ	خیرہ کن	حیران کرنے والا، چکاچوند والا
درخشاں	روشن۔ چمکتا ہُوا	طبیعت مکدر رہنا	طبیعت خراب رہنا
کوچوان	تانگہ بان	مجمع	بہت سے لوگوں کا ہجوم
مردار	مرا ہُوا	ملعون	لعنتی، دھتکارا ہُوا
ہتک	بے عزت		

تاریخ کا کفن

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
ادھیڑ عمر	نہ جوان نہ بوڑھے کی عمر	بھانت بھانت کی بولیاں	طرح طرح کی بولیاں
پُرحشمت	عظمت والا	تیس مار خانی دکھانا	تیس مار خانی دکھانا
چیتھڑے	ٹکڑے	حقارت آمیز	نفرت سے
درازیِ عمر کی دعا	لمبی عمر کی دعا	درگت بنانا	بُری حالت کر دینا
زیر و بم	اُتار چڑھاؤ، اونچ نیچ	سنا ان سنا کر دینا	توجہ نہ دینا
کنگال	تباہ حال۔ انتہائی غریب	نحیف	کمزور۔ ہلکا یا ہلکی

دہلیز

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
احسن طریقے سے	اچھے طریقے سے	اشتیاق سے دیکھنا	شوق، محبت سے دیکھنا
بلاوجہ	بغیر کسی وجہ کے	تنگ دست	غریب، مفلس

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
دستک	دروازہ کھٹکھٹانا	دہلیز	ڈیوڑھی، دروازہ
رنجیدہ ہو کر	غم گین ہو کر	نام پر مٹی ڈالنا	عزت ختم کرنا

اور پاکستان بن گیا

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
خون کی ہولی کھیلنا	قتل و غارت کرنا	چہرہ فق ہونا	گھبرا جانا
دھیرے سے	آہستہ سے	دیوانگی	پاگل پن
ڈبڈبائی ہوئی آنکھیں	آنسو سے بھری آنکھیں	سونی کرسی	خالی/ویران کرسی
شادمانی	خوشی		

ایک استاد عدالت کے کٹہرے میں

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
احترام فائقہ	برتر احترام	اکا دکا	چند
براجمان ہونا	بیٹھنا	پیچیدہ	مشکل، بل کھایا ہوا
تشنج	اعضا میں جھٹکے کی بیماری، اکڑن، کھنچاؤ	حکم عدولی کرنا	حکم نہ ماننا، نافرمانی کرنا
خمیدہ	ٹیڑھا۔ جھکا ہوا	رسوائی	بدنامی، بے عزتی
سرگرداں	مصروف	قیلولہ	دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد آرام کر
لاابالی طبیعت	جوش والا طبیعت	ممد و معاون	مددگار
منزلت	مقام۔ مرتبہ	نوید	خوش خبری

مکاتیب غالب

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
اختلاط	میل جول، تعلقات	انبساط	خوشی
اہل حرفہ	ہنر مند	بازپرس	پوچھ گچھ
بے کم و کاست	بغیر کسی کمی کے	دار و گیر	پکڑ دکڑ، قید و بند
دیوان	الف بائی ترتیب میں شعری مجموعہ	مسکن قدیم	رہنے کی پرانی جگہ
ناگاہ	اچانک	ہنوز	ابھی تک

فاقہ میں روزہ

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
ترکاری کے قتلے	سبزی، ساگ	تیغ و تفنگ	تلوار اور تیر
جگھٹے	ہجوم	جولان گاہ	بھاگ دوڑ کی جگہ، میدانِ عمل
دال سید	دال سویاں	زیر و زبر ہونا	تباہ کرنا
غرق آب ہونا	پانی میں ڈوب جانا	غوطہ ساتھا	بے ہوشی سے تھی

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
فلک کے مارے	بد قسمت	گردش افلاک	بد قسمتی، قسمت کے چکر سے
گور غریباں	غریبوں کی قبر	گویا	گانے والا
لہو ولعب	کھیل تماشا	مراقبہ	توجہ، دھیان
مصاحب	ہم نشین، دوست، ایک عہدہ	مغموم	غم زدہ، اداس
مقیشی	چاندی یا سونے کے تاروں کا، چمک دار	مکلف	پُر تکلف، آراستہ، سجا ہُوا
واگزاشت ہونا	چھوڑ دینا، قبضہ دینا		

پاکستانی زبانیں اور ان کا باہمی رشتہ

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
اسلامی تشخص	اسلامی پہچان، شناخت	بیش بہا	قیمتی
حمیت	خودداری، عزتِ نفس	خدوخال	چہرہ، شکل وصورت، ساخت
رسم الخط	تحریر کرنے کا انداز	فیوض	فائدے، نیکیاں
مرہونِ منت	احسان مند، شکر گزار	میراث	وراثت، والد کے مرنے پر اولاد کو ملنے والی جائیداد

چارپائی

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
آرائش	سجاوٹ	شگفتہ	کھلا ہُوا، خُوش
غل غپاڑہ	شور شرابہ	فراغت	فرصت
کرشمہ	خوبی، کمال	مچان	اونچی جگہ، شکاری کے بیٹھنے کی جگہ
مینڈوں	کھیت کی منڈیر، حد بندی		

حمد

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
افق افق	ساری دنیا میں	جبل جبل	ہر پہاڑ پر
رنگ جمال	خوب صورتی کا رنگ	سوزاں	بھڑکتا ہُوا
مرقوم	لکھا ہُوا	مکتوم	پوشیدہ، چھپا ہُوا

نعت

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
بزم کونین	دنیا و آخرت کی محفل	باصدق ویقیں	سچائی اور یقین کے ساتھ
جملہ اوصاف	تمام خوبیاں	خلد	جنت
رفعتیں	عظمتیں، بلندیاں	زیر نگیں	آپ کے سائے نیچے، ماتحت
سدرۃ المنتہیٰ	نہایت بلند مقام	سید	سردار، رہبر
قریں	نزدیک، قریب		

ملی نغمہ

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
اندیشۂ زوال	زوال، تباہی کا ڈر	تشویش	پریشانی، فکر
خستہ حال	پریشان حال، رنجیدہ	روئیدگی	اگنے یا اگانے کا عمل، قوتِ نمو
غیر فانی	جسے فنا نہ ہو	فصلِ گل	پھولوں کا موسم
مجال	حوصلہ، قدرت، طاقت	ملول	غم گین، اداس

اے وادیِ لولاب

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
سیماب	پارہ (ایک دھات)	فراست	بات کو جلد سمجھ لینے کی صلاحیت
وادیِ لولاب	کشمیر کی ایک وادی / علاقہ	مرغانِ سحر	صبح کے پرندے
مضراب	ساز بجانے کا آلہ	مئے ناب	خالص شراب
نواہائے جگر سوز	جگر کو جلا دینے والی آوازیں		

کھڑا ڈنر

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
اسیر	قیدی	پارہ	ایک دھات
حلقۂ خوباں	عورتوں کا ایک گروہ	شکم	پیٹ
شترِ بے مہار	نکیل سے آزاد اونٹ، بے قابو	صف آرا	قطار بنانا
غریب الدیار	جو اپنے علاقے یا شہر میں نہ ہو	مہمیز	تحریک، ترغیب، سواروں کی ایڑی میں لگا ہوا کانٹا

آزادی

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
اقصائے عالم میں	ساری دنیا میں	بہروپیے	جنھوں نے بھیس بدل رکھا ہو
تحقیر	نفرت، کم تر سمجھنا	تعجب	حیرت
تنویر	روشنی	حشر تک	قیامت تک
زینت	سجاوٹ، آرائش	شبستانوں	جہاں رات کو عبادت کرتے ہیں، خلوت خانہ، خواب گاہ

کلامِ رحمان بابا

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
اقلیم	خطہ، وطن، ملک	آسرا	سہارا
بے تبدل	جسے بدلا نہ جا سکے	بے تغیر	جسے تبدیل نہ کیا جا سکے
حاجت مند	ضرورت مند	خلاق	پیدا کرنے والا

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
زیراحسان	احسان مند	سامع	سننے والا
صانع	بنانے والا	مختار کل	ہر شے یا چیز کا مکمل اختیار رکھنے والا
مدعی	دعوی کرنے والا	منتہا	اونچا مقام، آخری حد

پتا پتا بوٹا بوٹا حال ہمارا جانے ہے

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
بے تاب و تواں	کمزور، نحیف	پتا پتا	ہر پتا
چارہ گری	مدد کرنا، ہمدردی کرنا	خود آرا	خود کو بنانا سنوارنا
رمز	اشارہ	زیاں	نقصان

سر میں سودا بھی نہیں دل میں تمنا بھی نہیں

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
بھروسا	یقین	سودا	پاگل پن
شکیبا	صبر و برداشت کرنے والا	صیاد	شکاری (پرندوں کا)
کنج زنداں	قید خانے کا کونہ یا گوشہ		

بے چین بہت پھرنا، گھبرائے ہوئے رہنا

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
اکتائے ہوئے	بیزار	شیوہ	طور طریق، انداز
لب لعلیں	سرخ ہونٹ		

سلسلے توڑ گیا وہ سبھی جاتے جاتے

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
پابجولاں	پاؤں میں زنجیر	شکوہ ظلمت شب	تاریک رات کی شکایت
مراسم	تعلقات	ہجر	جدائی

بادباں کھلنے سے پہلے کا اشارہ دیکھنا

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
بادباں	کشتی یا جہاز کا رخ بدلنے والا پردہ کپڑا	خسارہ	نقصان
زیاں	نقصان	شباہت	شکل و صورت کا ملنا
مشت خاک	خاک کی چٹکی مراد انسان		

مؤلفین کا تعارف

پروفیسر امجد اقبال

پروفیسر امجد اقبال عرصہ بیس سال سے اُردو مضمون کی تدریس و تعلم کے شعبہ سے وابستہ ہیں۔ پنجاب یونیورسٹی سے ایم اے اردو اور علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد سے ایم فل اُردو کی ڈگری حاصل کی۔ 2002ء میں بطور لیکچرار شعبہ اردو، اسلام آباد ماڈل کالج فار بوائز G-10/4 اسلام آباد سے ملازمت کا آغاز کیا اور اس وقت بطور ایسوسی ایٹ پروفیسر کے خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ وفاقی تعلیمی بورڈ، اسلام آباد جیسے پروفیشنل ادارے میں متعدد بار کمیٹی آف کورسز کے رکن کی حیثیت سے بھی سیکنڈری اور ہائر سیکنڈری سطح پر اپنی خدمات پیش کر چکے ہیں۔ سیکنڈری اور ہائر سیکنڈری کلاسز کے اردو لازمی کے ماڈل پرچوں کی تیاری میں ٹیم کا حصہ رہے ہیں۔ حال ہی میں فیڈرل بورڈ کے حاصلاتِ تعلم کی بنیاد پر بننے والے نئے پرچوں کی تیاری میں بھی کلیدی کردار ادا کیا۔ نیشنل بک فاؤنڈیشن کی درسی کتاب (اُردو لازمی) برائے جماعت دوم، پنجم، ہشتم، نہم، دہم، گیارھویں اور بارھویں میں بطور شریک مصنف کام کیا۔

ڈاکٹر خالد اقبال یاسرؔ (تمغائے امتیاز)

خالد اقبال یاسرؔ پنجاب یونیورسٹی سے ایم۔اے (تاریخ) اور قائدِ اعظم یونیورسٹی اسلام آباد سے ایم ایس سی (مطالعۂ پاکستان) کرنے کے بعد اُنھوں نے علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد سے اقبالیات میں ایم۔ فل کیا اور جامعہ اسلامیہ بہاولپور سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ خالد اقبال یاسرؔ اہم ادبی، علمی اور تعلیمی اداروں کی سربراہی کے فرائض سرانجام دے چکے ہیں۔ وہ طویل عرصے تک اکادمی ادبیات پاکستان کے سہ ماہی ادبی جریدے، ادبیات کے مدیرِ اعلیٰ رہے ہیں۔ اُن کے شعری مجموعے "دروبست"، "گردش مزاج" اور "ترخصتی" شائع ہو چکے ہیں۔ اُنھوں نے بہت سی کتب اور مقالات کے تراجم بھی کیے ہیں۔ ان کے مقالے مسلّمہ تحقیقی جرائد میں شائع ہوتے ہیں۔ حکومت پاکستان نے 2010ء میں اُنھیں اعلیٰ سول ایوارڈ: "تمغائے امتیاز" سے نوازا۔ انھوں نے نمل یونیورسٹی، اسلام آباد کے شعبہ تصنیف و ترجمہ کے ناظم کے طور پر بھی کام کیا۔

ڈاکٹر سید تجمل حسین شاہ

مصنف نے ۲۰۰۷ء میں ایجوکیشن میں پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی جس میں تحقیق کے لیے نصابیات کے شعبے کو اختیار کیا گیا تھا۔ مصنف نے چودہ سال تک پرائمری، سیکنڈری اور کالج کی سطح پر اسلامیات سمیت مختلف مضامین پڑھائے۔ مزید یہ کہ مصنف نے قومی سطح پر نصاب سازی اور کتب سازی میں بیس سال تک خدمات سرانجام دیں اور مختلف مضامین کے نصابات اور کتب کی تیاری، نظرِ ثانی اور منظوری میں حصہ لیا۔ مصنف نے آزاد کشمیر ٹیکسٹ بک بورڈ، خیبر پختونخوا، پنجاب، سندھ اور بلوچستان کی متعدد نصابی کتب کی نظرِ ثانی اور تیاری میں کئی سال تک حصہ لیا۔ اس وقت ایک مقامی یونیورسٹی میں تدریس کے شعبے سے وابستہ ہیں۔

ڈاکٹر شاذیہ صدف

پنجاب یونیورسٹی سے ایم اے اُردو کی ڈگری حاصل کی اور اردو میں منظوم ڈرامہ کے نام سے مقالہ لکھا۔ اشفاق احمد کی ادبی خدمات۔ اُردو ادب کے تناظر میں کے نام سے مقالہ لکھ کر پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ گزشتہ تیس سال سے اسلام آباد کے ماڈل کالجز میں تدریس کے فرائض سرانجام دے رہی ہیں۔ آج کل اسلام آباد ماڈل کالج فار گرلز ایف سیون فور میں بطور ایسوسی ایٹ پروفیسر تعینات ہیں۔ مختلف ادبی رسائل میں تحقیقی و تنقیدی مقالات و مضامین تسلسل کے ساتھ شائع ہوتے رہے ہیں۔

پروفیسر گل ناز

پروفیسر گلناز گذشتہ بائیس سال سے وفاقی دارالحکومت کے اسلام آباد ماڈل کالجز میں اُردو مضمون کی تدریس و تعلم میں مصروفِ عمل ہیں۔ جامعہ کراچی سے نمایاں پوزیشن کے ساتھ بی۔ اے آنرز اور ایم اے اردو کی ڈگریاں حاصل کیں۔ آپ یکساں قومی نصاب (اُردو) کی نصاب سازی اور وزارت وفاقی تعلیم کی تشکیل کردہ قومی جائزہ کمیٹی کی رُکن رہی۔ جماعت اوّل تا ہشتم اُردو نصاب کی تیاری میں اپنا بھرپور کردار ادا کیا۔ قومی نصاب کے سلسلے میں لکھی جانے والی پاکستان کی مختلف ٹیکسٹ بک بورڈ کی تیار کردہ بیشتر کُتب پر نظرثانی کی۔ آپ آج کل اسلام آباد ماڈل کالج فار گرلز، جی ٹین ٹو میں بطور صدر شعبہ اردو اپنے فرائض سرانجام دے رہی ہیں۔ نیشنل بک فاؤنڈیشن اسلام آباد کی طرف سے جماعت ہفتم اور بارھویں کی نصابی کتابوں میں بطور مصنف خدمات سرانجام دے چکی ہیں۔

محمد شاہین بلوچ ملغانی

محمد شاہین بلوچ کا تعلق درس وتدریس کے شعبے سے ہے۔ آپ پاکستانی زبانوں کے ایم فل اسکالر ہیں۔ آپ نے اُردو اقبالیات اور سرائیکی زبان وادب میں ایم۔ اے کی ڈگریاں اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور سے حاصل کیں۔ آپ نیشنل بک فاؤنڈیشن کے علاوہ ٹیچر فاؤنڈیشن آزاد جموں و کشمیر کے لیے بھی تدریسی کتب لکھ چکے ہیں۔ آپ نے کئی درسی کتب کی نظرثانی کے فرائض بھی انجام دیے۔ آپ کے مضامین اور شاعری تعلیمی اداروں کے رسائل میں چھپتی رہتی ہے۔ آج کل آپ وفاقی نظامتِ تعلیمات اسلام آباد کے زیرِ اہتمام ایک تعلیمی ادارے میں بطور مدرس اُردو اپنے فرائضِ منصبی سرانجام دے رہے ہیں۔